جدید ایڈیشن

مجالسِ صبح گاہی

جلد اول

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا

مفتی عبد الرشید مفتاحی صاحب دامت برکاتہم

خانقاہِ مسیح الامتؒ

لعل بازار و کھمبر سرینگر جموں و کشمیر

مجلس یہ صبح گاہی　　دیتی ہے یہ آگاہی
کر دل کو منور تو　　از ذکر سحر گاہی

مجالس صبح گاہی

جلد اول

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا مفتی عبد الرشید مفتاحی صاحب دامت برکاتہم

ناشر: شعبۂ نشر و اشاعت خانقاہ مسیح الامتؒ لعل بازار وکھمبر سرینگر جموں وکشمیر

نام کتاب: مجالس صبح گاہی جلد اول

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی عبد الرشید مفتاحی صاحب دامت برکاتہم

سنہ اشاعت اول: رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ مطابق مئی ۲۰۱۹ء

تعداد صفحات: 200

کمپیوٹر کمپوزنگ: سہیل مسکین

قیمت:

ناشر: شعبۂ نشر و اشاعت خانقاہِ مسیح الامت لعل بازار و کھمبر

ملنے کے پتے:

خانقاہِ مسیح الامتؒ لعل بازار و کھمبر

رابطہ نمبرات: 7006275271,9796782483

مکتبہ مسیح الامتؒ دار العلوم بلالیہ لعل بازار سرینگر

رابطہ نمبر: 7006766914

صد گہر بار و مزین ماہ پاروں سے کتاب
اہل بینش کے لئے یہ روز و شب کا ہے نصاب
ہے نصیب گل جہاں سے عشق افزائے سحاب
مہر ممنونِ ضیاء ہے باشعاعِ آفتاب
حضرتِ والا مسیحؒ و مرشدی شیخ حمید
مرشدانِ مردمانِ حق بجانب انتساب

انتساب

احقران گزارشات کے خیر کے پہلو کا انتساب

مرشدی و مولائی مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ

(یکے از اجل خلفاء حکیم الامت تھانویؒ)

کی طرف کرنے کو اپنی سعادت سمجھتا ہے۔

جن کی صحبت اور روح پرور مجالس میں بسا اوقات اپنی تمام تر تقصیرات کے باوجود وہ اثرات محسوس کرتا تھا جن کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا، حتی کہ کبھی کبھی لب ریزی تک معاملہ پہنچ جاتا۔

بقول حافظ شیرازیؒ کے:

من ازاں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ حسن از پردۂ عصمت بروں آرد ذلیخا را

نیز مرشدی حضرت مولانا حمید اللہ صاحب دامت برکاتہم کی طرف

کہ حضرت جلال آبادیؒ کے بعد حضرت کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر حوصلہ افزائی پا کر گرتا پڑتا چلنے کی کوشش میں اللہ تعالیٰ سے امید باندھے استغفار کی توفیق پا رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ایمان اور اسلام پر جینا اور مرنا نصیب کرے۔ آمین یا رب العالمین۔

احقر عبد الرشید عفی عنہ

فہرست

عرض ناشر

الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات والصلوۃ والسلام علی سید الکائنات محمد والہ وصحبہ السادات. اما بعد....

اس منعم اعظم کا بے حد شکر کہ جس نے انسان کو بیش بہا نعمتوں سے نوازا، قوت نطق وگویائی اور طرز خطابت وکتابت سے زینت بخشی۔

دینی واسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت کے لئے متعدد وسائل ہیں، جن میں درس وتدریس، کتابت وخطابت، تحریر وتقریر، تصنیف وتالیف؛ بہترین ذرائع ہیں اور یہ کام اللہ تعالی نے علماء سے لیا ہے۔ داعئ حق ہمیشہ دعوت کا کام کرتے رہیں گے، اور دعوت حق کا کامیاب طریقہ وعظ حسن ہے یعنی ایسا وعظ جو مؤثر دل نشیں ہو، جس میں وعدہ ووعید، خوف ورجاء کے واقعات کا ایسا ذخیرہ ہو؛ جس سے عقائد صحیحہ، اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا دل میں شوق پیدا ہو۔

اس کی ایک کڑی "مجالس صبح گاہی" جلد اول ہے۔ الحمد للہ اس کتاب کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن کے بعد اب تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی نوبت پیش آئی بایں

وجہ کہ طباعت اول و دوم کے بعد اللہ پاک نے کتاب کو توقع سے زیادہ غیر معمولی شرف قبولیت سے نوازا، عوام وخواص نے ہاتھوں ہاتھ کتاب کو لیا اور یکساں طور پر پسندگی کا اظہار فرمایا، کئی احباب نے مشافہہ اور متعدد دوستوں نے فون اور میسج وغیرہ کے ذریعہ بہت سراہا اور داد و تحسین سے نواز کر حوصلہ افزائی کی، جس کے لئے ادارہ ان تمام احباب کا بصمیم قلب شکر گزار ہے۔

مزید برآں بہت سارے احباب و قارئین نے تیسرا ایڈیشن شائع کرنے درخواست کی؛ ساتھ ہی ساتھ اس سلسلے میں معاونت بھی کی؛ **فجزاهم الله خيراً احسن الجزاء**۔

قارئین و ناظرین سے نہایت مؤدبانہ التماس ہے؛ کہ اگر دوران مطالعہ کسی جگہ اغلاط واہوں تو از راہ کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں، ہم آپ کے بے حد شکر گزار ہوں گے۔ اخیراً بارگاہ خداوندی میں دست بستہ، حقیرانہ، فقیرانہ التجاء کرتا ہوں کہ اللہ پاک حضرت والا کی اس کتاب کے نفع کو عام و تام فرمائے، اس کتاب کو آئندہ نسلوں کے لئے مفید و نافع بنائے، توفیق عمل کو ہمارا رفیق بنائے، اللہ پاک تمام محبین و معاونین کو جزاء خیر عطا کرے؛ آمین ثم آمین۔

ناشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

اَمَّا بَعۡد:

مجالس صبح گاہی ان گذارشات کا مجموعہ ہے جو احقر کبھی کبھی نماز فجر پڑھانے کے فوراً بعد مصلے پر بیٹھ کر ہی دعا سے پہلے مسجد بلال ؓ میں طلباء عزیز، حضرات اساتذہ کرام اور نماز فجر کے لئے تشریف لائے ہوئے حضرات کی موجودگی میں کرتا رہا۔ وہ بھی ہمیشہ نہیں بلکہ جب کوئی بات، کوئی عنوان نماز میں پڑھی گئی کسی آیت کا خلاصہ کسی حدیث شریف کا مضمون اچانک ذہن میں آتا اور اکثر اندر سے گزارش کرنے کا تقاضہ بھی ہوتا تو عرض کرتا۔

ان گزارشات کو کبھی کبھی مکرم مفتی فاروق احمد صاحب بلالی اور عزیزم سہیل مسکین جن کے ذمہ اذان بلال ؓ کی ترتیب و کتابت کا کام تھا ریکاڈنگ کر کے دو ماہی ''اذان بلال ؓ'' میں ''صبح صبح'' کے عنوان سے شائع کرتے۔ کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ ہمارے دو دوست عزیزم فیضان اور حمزہ جو وکالت کے پیشے سے تعلق رکھتے ہیں ان گزارشات کو کتابی شکل دے کر شائع کرنا چاہتے ہیں نیز ان گزارشات کے دوران جن آیات مبارکہ اور احادیث شریفہ کو پیش

کرنے کی سعادت حاصل ہوئی انہوں نے ان کے حوالہ جات تلاش کرنے کی ذمہ داری اپنے ایک ساتھی عزیزم عمران صاحب کو دے دی ہے، جنہوں نے حوالہ جات تلاش کر کے عزیزم سہیل مسکین کے حوالہ کیا۔ اب ان گزارشات کو کتابی شکل دے کر شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے جس کے لئے احقر سے اجازت طلب کی، احقر نے بھی مفید سمجھ کر بے تکلف اجازت دے دی۔ جس کے لئے مختلف نام ان دوستوں نے اپنی طرف سے تجویز کئے جن میں کہیں احقر کا نام آتا اور کہیں کوئی ایسا لفظ آتا جو احقر کے لئے باعث حجاب ہوتا۔ ایک دن اچانک احقر کے ذہن میں ''مجالس صبح گاہی'' نام آیا جو مناسب بھی معلوم ہوا، کیوں کہ یہ ساری گزارشات صبح صبح بعد نماز فجر کی گئیں ہیں اور اسی مناسبت سے ''اذان بلالؓ'' میں صبح صبح کے عنوان سے شائع ہوتی رہیں۔

اللہ تعالیٰ ان گزارشات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازیں اور احقر و قارئین کرام کے لئے ہر طرح سے مفید ثابت فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

احقر (مفتی) عبدالرشید (مفتاحی)

خادم دار العلوم بلالیہ

۷/شعبان المعظم ۱۴۴۰

کلمات بابرکت

شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا حمید اللہ لون صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ مجاز: محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ
وحضرت مولانا شیخ نورالدین ترالی صاحبؒ

تحریر میں بھی صاحب تحریر کی تاثیر ہوتی ہے
رگِ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

اس لئے غیر مؤمن کی تحریرات اور لیکچرس سے بچنا بہت ضروری ہے ورنہ فساد و بگاڑ کے جراثیم سرایت کریں گے۔ پھر قسوۃ قلب کی بیماری لگ سکتی ہے۔

پڑھ پڑھ کے بنا پتھر لکھ لکھ کے بنا چور
جس پڑھنے سے نہ ملے خدا تو پڑھنا ہے کچھ اور

اس کا حال بن جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے امید ہے کہ مفتی صاحب زید مجدہم کے کلمات نہ صرف بزبان نکلے ہونگے بلکہ دل بھی ہم نوا رہا ہوگا۔

مقصود اصلی اللہ دُ دود، حنّان ومنّان سے لو لگانا ہے ورنہ سب بے کار۔ اللہ ذوالجلال ہمیں ایمان واخلاص کے منافی تمام اشیاء سے اپنے فضل سے محفوظ فرمائے اور اپنی رضائے تام نصیب فرمائے۔ واللہ الموفق۔

عبدہ سبحانہ

حمید اللہ

شبِ جمعہ ۲۶/۸/۱۴۴۰

تقریظ

عالم ربانی حضرت اقدس مولانا مفتی مظفر حسین صاحب القاسمی مخدومی
شیخ الحدیث وصدر المفتی دار العلوم سوپور کشمیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پوری دنیا اور دنیا کے مختلف علاقوں میں زمانے کے تقاضوں کے مطابق ہمیشہ علمائے حقہ، خدادوست بندے اور اولیاء رہے ہیں اور رہینگے۔ یہ علمائے ربانیین اور اولیاء عظام گوناگوں صفات کے مالک ہوتے ہیں۔ کچھ صفات ان میں فطری ہوتے ہیں، کچھ صفات علم کے نور سے منور اور اعمال صالحہ کے فیض سے مستفیض ہونے کی برکت سے ظہور پذیر ہوتے ہیں یا یوں کہیں کہ کچھ خوبیاں وھبی ہوتی ہیں اور کچھ کسبی۔ ان لوگوں کا کام نہ علی الرغم کسی کو ہدایت دینا ہوتا ہے نہ ہی بالجبر منکرات سے روکنا ہے بلکہ جب کسی کا کوئی کمال ان کے سامنے ظاہر ہوتا ہے وہ غلط استعمال ہوتا ہے یا اس کے غلط استعمال ہونے کا اندیشہ ہے تو وہ اپنے تجربات کے ذریعہ اس کو صحیح مصرف میں استعمال کا ڈھنگ سکھاتے ہیں۔ مختصر الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ماہرین اس خُو کا ازالہ نہیں بلکہ امالہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے امراض باطنہ یا امراض قلبیہ (کبر، عجب، ریا، حسد، بغض، حب جاہ) کا کامیاب علاج ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ شجاعت ایک کمال ہے، ایک خوبی ہے، یہی خوبی سیدنا حضرت عمر فاروقؓ میں بدرجہ اتم موجود تھی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کمال کو ختم نہیں کیا بلکہ اس کو صحیح مصرف میں استعمال کرنے کا طریقہ سکھایا۔

لیکن ان علماء وصلحاء میں خوبیوں کی کثرت کے باوجود بعض خوبیاں اتنی ابھر کر آ کر مشہور ہوتی ہیں جن کے نتیجے میں بعض خوبیاں دب کر رہ جاتی ہیں۔ بظاہر وہ خوبیاں نظر نہ آنے کی وجہ سے معدوم سی لگتی ہیں لیکن حقیقۃً نمایاں خوبیوں کی وجہ سے وہ نمایاں تو نہ ہوسکیں لیکن معدوم نہ ہوئیں، لیکن

ضرورت کے وقت ان کا ظہور ہوتا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس کی بہت مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ میں شجاعت، سخاوت، علم وکمال وغیرہ صفات کا کون منکر ہے؟ لیکن صدیقیت کا کمال اتنا نمایاں ہوا کہ نام مبارک کی جزو ہی بن گیا، لیکن ضرورت کے موقعوں پر دیگر صفات کا ظہور احادیث اور سیرت کی کتابوں میں ایک مسلم حقیقت ہے۔ خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد امت کی باگ دوڑ کا سنبھالنا انہی مخفی صلاحیتوں کا اظہار تھا۔

آج کے دور میں کوئی فن قرأت میں مشہور ہونے کی وجہ سے قاری کہلاتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ عالم نہیں ہے، یا کوئی عالم مفتی وفقیہ کے نام سے جانا جاتا ہے، لیکن اس سے اس کے علم تفسیر و حدیث سے ناواقفیت کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ کوئی محدث، شیخ الحدیث، مفسر وغیرہ القاب سے متعارف ہے اس سے اس کے دیگر علوم سے نابلد ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ہماری وادی میں علماء، صلحاء، اولیاء، ماہرین قرآن وحدیث وفقہ اور دیگر علوم عالیہ وآلیہ میں رسوخ رکھنے والی شخصیات اپنے زمانے کے معیار کے مطابق الحمدللہ بڑی تعداد میں موجود ہیں، جن میں کچھ حضرات کی بعض خوبیاں نمایاں تو ہیں لیکن ضرورت کے وقت دیگر خوبیوں کا ظہور بھی ہوتا رہتا ہے۔ ان علماء وصلحاء میں ہمارے رفیق محترم عارف باللہ حافظ وقاری مولانا مفتی عبدالرشید مفتاحی زید مجدہ بھی ہیں جو گوناگوں اوصاف کے مالک ہیں، علماء برادری میں اپنے بڑوں کے پیارے بلکہ لاڈلے، لائق شفقت اور ہر دل عزیز ہیں۔ اپنے چھوٹوں کی نگاہوں میں قابل احترام، باعث تعظیم وتکریم ومطاع ہیں۔ علماء کے طبقہ میں ہر ایک کے ساتھ یکساں روابط نہ صرف رکھے ہوئے ہیں بلکہ استوار کئے ہوئے ہیں، ضرر رسانی کے بارے میں شاید ہی کسی کو شکوہ ہو، البتہ ہمدردی اور نفع رسانی میں تمام احباب رطب اللسان ہیں۔ عوام الناس کے ہر طبقہ میں تقریباً یکساں مقبولیت ہے۔ دین وعلوم شرعیہ کی اشاعت اور منکرات پر نکیر معروف کی تبلیغ بلکہ ترویج، مردہ سنتوں کے احیاء میں پُراعتماد طریقہ پر بلا خوف لومۃ لائم احسن طریقہ پر پیش رو ہی نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی دیگر خوبیاں اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی ہیں لیکن

بچپن سے جوخوبی نمایاں تھی جس کی عکاسی قدرے اس شعر میں نظر آتی ہے:

بالائے سرش زہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی[1]

وہ اہل اللہ سے محبت اور ان کے مشن کی آبیاری ہے، پابندی شریعت، صاحب طریقت، اولیاء کی بافیض صحبت اور ان کے بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق مسلسل ریاضت نے اس خوبی کو مزید جلا بخشی اور رفتہ رفتہ تابع کے بجائے متبوع، خادم کے مقام سے مخدوم، مسترشد کے مقام سے مرشد اور مرجع بن گئے اور ایک دھن سی سوار ہے جس کا عملی نتیجہ یہ سامنے آیا کہ علوم شرعیہ دینیہ کی اشاعت کے لئے اگر چہ ایک معمولی پودا، ایک تناور بلکہ ثمر دار درختوں کا باغ شہر سرینگر میں دارالعلوم بلالیہ کی شکل میں نظر آرہا ہے، جس کا فیض کشمیر کے چپے چپے میں ہی نہیں بلکہ بیرون ریاست اور بیرون ملک میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف روز اول سے علم کے چشمے کے ساتھ معرفت کا چشمہ بھی تشنگانِ معرفت کو سیراب کرتا رہا جو ترقی کرتے کرتے ایک اہم مرجع اور معرفت الٰہی، تزکیہ نفس، محبت الٰہی اور ربانیت کا میکدہ بن گیا۔ یہ حسین سنگم اس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض علماء کے نزدیک صراط مستقیم اس طریق سلوک پر بھی صادق آتا ہے جو محبت و علم و عقل دونوں کو جامع ہوتا ہے۔ کیونکہ سلوک وہی معتبر ہے جس میں عشق ومحبت بھی ہو اور عقل و علم بھی کامل ہو۔ نہ صرف عشق ہو اور نہ ہی محض عقل و علم ہو، کیونکہ عشق بغیر عقل کے انسانوں کو مجذوب اور بےخود کر دیتا ہے اور عقل و علم بغیر عشق ومحبت کے انسان کو ملحد بنا دیتی ہے، پس عشق ومحبت، علم و عقل کا حسین اجتماع ہی طریق سلوک میں اعتدال پیدا کرتا ہے۔

چنانچہ دارالعلوم اگر طالبان علوم کو سیراب کرتا ہے تو خانقاہ سے منسلک احباب معرفت وعشق کے میدان میں سابق ہی نظر آتے ہیں، جس کا مشاہدہ نہ صرف ان لوگوں کی ظاہری وضع قطع، اخلاق و کردار و معاملات میں نظر آتا ہے جو علم کے تعلیم و تعلم کے ساتھ منسلک ہیں بلکہ کالج،

---

[1]۔ ان کے سر پر اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے فہم اور ہوشمندی کے سبب اقبال وظفر اور روحانی بلندی کا تارا صاف چمکتا دکھائی دے رہا ہے۔

یونیوسٹیوں اور اسکول کے طلباء، ڈاکٹر، انجینئر، بڑے ملازمین اور تجار کے علاوہ خواتین کی پابندی شریعت زندگانی میں بھی محسوس کیا جا سکتا ہے اور اس دین دار ذہین طبقہ کے بارے میں شیخ سعدیؒ نے یہ اشعار تاثیر صحبت کی مکمل ترجمانی کرتے ہیں۔

گلے خوشبوئے دَر حمام روزے رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مُشکی یا عبیری کہ از بُوئے دِل آویز تو مستم
بگفتا مَن گِلے نا چیز بُودم ولیکن مُدتے با گُل نشستم
جمالِ ہمنشیں دَر مَن اثر کرد وگرنہ اِیں ہماں خاکم کہ ہستم

اور بعض احباب کا حال تو یوں نمایاں ہے ع

تھا زور کچھ خود بینی کا کرتے ہی کیا تھے ہم 'ہم' کے سوا
اور اب تو زبان پر کچھ بھی نہیں اب 'اغفر وارحم' کے سوا

طلباء و طالبین، مسترشدین اور مریدین کے ظاہری باطنی تربیت کے لئے جو مختلف طریق تعلیم و تربیت رفیق محترم نے اختیار فرمائے ہیں ان میں ایک طریقہ یہ بھی کارگر ثابت ہوا کہ کسی تقاضہ کی بنا پر بعد فجر گاہے گاہے طلباء، اساتذہ، مسترشدین، ملازمین اور شریک نمازیوں کے سامنے موقع بموقع کچھ کارآمد اور مفید ارشادات نصیحت کے عنوان سے بیان کرتے رہے۔

قدر دان حضرات نے محنت کر کے ان کو جمع کر کے کاغذ پر منتقل کیا اور یہ مضامین دار العلوم کے موقر رسالہ ''اذان بلالؓ'' میں کبھی کبھی شائع بھی ہوتے رہے۔ قدر دان احباب و متعلقین کا فراہم ہونا اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ چنانچہ بعض حضرات نے ان مضامین کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ کیا، ان کی محنت ولگن سے یہ مجموعہ نصائح اب اشاعت کے آخری مرحلے میں ہے۔ زرہ نوازی کی بنا پر اس نصیحت نامہ کو میرے پاس بھیجا گیا، حضرت مفتی صاحب مدظلہ سے قلبی لگاؤ کی بنا پر شوق سے تمام مضامین کو پڑھا، تین درجن سے زائد مضامین پر مشتمل یہ علمی لیکن پھر سبق آمیز نصیحت سے لبریز، پُر تاثیر مجموعہ اہم عنوانات پر مشتمل ہے، جس میں قدرے مشترک کے طور پر ذکر الٰہی اور اس کے درجات، اخلاص واستحضار نیت وغیرہ سلوک کے اہم مراحل پر مختصر مگر

جامع گفتگو ہے۔ تین درجن سے زیادہ عنوانات پر تبصرہ باعث طوالت ہے، قارئین خود سمجھ کر پڑھنے کے بعد ان سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔لیکن چند عنوانات کے تحت مختصر بحث تو عجیب و غریب کیفیت پیدا کرتی ہے مثلاً امتحان گاہ میں داخل ہونے کے وقت سب کی حالت یکساں لیکن نکلتے وقت ہر ایک کی حالت کا مختلف ہونا اور اس مثال کا انطباق، کنواں کھودنے کی عجیب مثال اور اس سے استدلال، کتاب زندگی اور اپنی سوانح زندگی کے بارے میں ارشاد ربانی اقرأ کتابك کا ولولہ انگیز اور عبر آموز سبق۔ دل کا کام،کونسا استقبال کیا جائے، ایک ہی مارکیٹ ہے جہاں ان کی جانچ ہوگی، باقی رہنے والا اور ختم ہونے والا۔ یہ تمام مضامین بالکل اچھوتے اور سبق آموز ہیں، بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر ایک چیز با حوالہ ہے۔بغیر کسی کسر نفسی کے مجھے خود بھی ان مضامین سے کافی فائدہ ہوا۔البتہ میرا اندازہ اور خیال یہ ہے کہ ان مختصر مضامین کو اگر مطالعہ کے بجائے کسی نماز کے بعد اجتماعی شکل میں پڑھا اور سنا جائے تو شاید مفید تر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رفیق محترم کو اللہ تعالیٰ نے جن خوبیوں سے نوازا ہے ان میں مزید ترقی عطا فرمائے اور ان سے جو علمی اور روحانی فیض جاری ہے اس میں دوام و استقامت اور اخلاص مزید عطا فرمائے اور تاحیات فیض حاصل کنندگاہ میں اضافہ ہوتا رہے اور صحت و عافیت کے ساتھ یہ سلسلہ چلتا رہے اور جن لوگوں نے اس تحریر کے بارے میں کسی بھی طرح کی محنت کی ہے ان کے لئے یہ تحریر دنیا میں باعث ہدایت اور آخرت میں ذریعہ نجات بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

(حضرت مولانا مفتی) مظفر حسین (القاسمی)

۲۱ رشعبان المعظم ۱۴۴۰

تقریظ

عالم ربانی حضرت اقدس مولانا مفتی نذیر احمد صاحب القاسمی
شیخ الحدیث دار العلوم رحیمیہ بانڈی پورہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تیار کردہ گلستانِ رُشد و ہدایت کے ایک گل سر سبد مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان شیروانیؒ بانی مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد (یوپی) کی ذات اقدس بھی تھی۔ حضرت مسیح الامتؒ کا علم وفیض وادیٔ کشمیر میں جن شخصیات کے توسط سے پہنچا اور ماشاءاللہ تسلسل سے یہ فیض اپنی علمی و روحانی ضیاباری اپنا نور پھیلا رہا ہے، ان شخصیات میں گرامی قدر حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مفتاحی (اطال اللہ انوار رشدہم) کی ذات نمایاں ہے، موصوف سالہا سال جلال آباد میں ایک طرف مدرسہ مفتاح العلوم کی علمی فضاؤں میں معطر وفیض یاب ہوتے رہے اور دوسری طرف حضرت مسیح الامتؒ کے فیض صحبت سے روحانی تزکیہ کے مدارج طے کرتے گئے اور ماشاءاللہ علم وعمل کے مزاج میں پختہ، صفائی قلب سے آراستہ ذوق عبادت اور حوصلۂ اصلاح سے مزین ہوکر وارد کشمیر ہوئے، موصوف ہی کی دعوت وجستجو سے حضرت مسیح الامتؒ کی کشمیر تشریف آوری ہوئی اور سرینگر میں تقریباً ایک ہفتہ اصلاح وتزکیہ وعطر بیز ہوائیں چلیں کہ آج تک ان سے

کتنے ہی نفوس اپنے مشام جان کو معطر کئے ہوئے ہیں۔ حضرت مسیح الامتؒ کی تشریف آوری ہی دارالعلوم بلالیہ کی بنیاد کا سبب بنا جو ماشاءاللہ روز افزوں، علمی واصلاحی خدمات کے ساتھ دینی ودعوتی نور پھیلانے میں سرگرم ہے۔

مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مفتاحی دارالعلوم بلالیہ کے انتظام وانصرام کے ساتھ ساتھ درس وتدریس، مواعظ وخطبات اور خانقاہی مجالس کی متنوع خدمات میں مشغول ہیں۔ والحمد للہ علی ھذا۔ موصوف کا معمول ہے کہ دارالعلوم بلالیہ کی مسجد میں عامۃً نماز فجر کے بعد مختصر خطابات فرماتے ہیں جہاں عموماً طلبہ، اہل محلہ اور بعض ایام میں مہمان حضرات ہوتے ہیں، ان میں تذکیر ہے، موعظت ہے، اصلاح ہے، خود بینی کی دعوت ہے، جو تطہیر ذات کا جذبہ ابھارنے کا سبب ہوتی ہے۔ اور فکر ابھر جاتی ہے، نفس کے مکائد کی تعیین ہے۔ اور دل کی تعمیر وتطہیر کے لئے فکر مند ہونے کی ترغیب ہے ان میں ذات کی اصلاح کے لئے نہ تو طنز وتنقید ہے اور نہ کسی مخصوص فکر یا کسی خاص طبقہ کے لئے طعن وتشنیع ہے۔

نقائص کی تشخیص ہے مگر کسی شفیق معالج کی طرح جذبہ شفقت کے قند سے آمیز کر کے نصائح ہیں۔ خطابات نہ گنجلک ہیں نہ مشکل۔ یہ خطاب مختصر، پرمغز، جامع اور علم و اصلاح سے مزین ہوتا ہے نیز توجہ وشوق سے یہ خطاب سنا جاتا ہے۔ مولانا مفتی صاحب موصوف کے مسترشدین نے ان خطابات کو محفوظ کیا اور اب انہی کو جمع کر کے کتابی شکل میں شائع کرنے کا عزم رکھتے ہیں، ان مقتدین نوجوانان نے راقم الحروف سے باصرار تمام یہ تقاضا کیا کہ اس سلک جواہر کے ساتھ رفتۂ شکستہ کا پیوند لگایا جائے۔ اس لئے یہ سطور لکھنے کی سعادت میسر آئی۔

مجالس صبح گاہی کے نام سے شائع ہونے والے یہ مواعظ اس عطر خالص کی

طرح ہیں جن میں کسی قسم کی کوئی ملاوٹ نہ ہو، نہ ان میں رقیق علمی مباحث ہیں نہ یہ سامعین کی قوت اخذ سے ماوریٰ ہیں۔ ان خطابات میں وہی رنگ و آہنگ ہے جو مشائخ کے مواعظ میں ہوتا ہے۔ رذائل نفس سے تخلیہ اور اخلاق فاضلہ سے تحلیہ تصوف اور سلوک کا بنیادی موضوع ہے۔ صفت احسان سے مومن متصف ہوجائے تو پھر عبادات کا ذوق، معاصی سے نفرت، رضائے الٰہی کا جذبۂ صادق اور تعلق مع اللہ کے ساتھ معرفت الٰہی کا حصول اکابرین کی تمام محنتوں کی غایت ہے۔ یہ نعمت مل جائے تو پھر قلب سلیم اور نفس مطمئنہ کا مقام ممکن ہے۔ ان تمام خطابات میں یہی روح ہر جگہ کارفرما محسوس ہوتی ہے۔

امت کی دینی اصلاح کا جذبہ رکھنے والے اہل علم تحقیر وتنقید نہیں بلکہ اصلاح و تنبیہ کا رویہ ملحوظ رکھ کر ہی اپنی زبان وقلم کو ذریعہ بناتے ہیں۔ ان خطابات کو جمع کرنے اور اشاعت کرنے پر مبارک وتحسین پیش کرتے ہوئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو نافع سے نافع تر بنائے۔ اور سب کی اصلاح کا ذریعہ بھی بنائے اور مرتبین کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔

العبد

(حضرت مولانا مفتی) نذیر احمد (القاسمی) عفی عنہ

(صدر المفتی دار العلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر)

۲۵ رشعبان المعظم ۱۴۴۰ھ

تقریظ

حضرت مولانا مولانا عقیل الرحمٰن صاحب مفتاحی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبدہ الذین اصطفی اما بعد:

محترم مولانا عبدالرشید صاحب مہتمم مدرسہ بلالیہ کشمیر نے کئی سال تک مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع شاملی میں تعلیم حاصل کی ہے۔ اللہ نے ان کو طبعاً سعید و نیک بنایا ہے، تعلیم کے زمانہ میں کبھی کسی قسم کی شکایت کا موقع انہوں نے نہیں دیا۔ حضرت اقدس مسیح الامت نور اللہ مرقدہ کی شاید ہی کوئی مجلس چھوڑی ہو، جس میں علوم و عرفان کی بارش ہوتی تھی۔ بندہ ان کی فراغت اور مہتمم مدرسہ بننے کے بعد بھی دو تین تین مرتبہ کشمیر گیا ہے، وہاں بھی ان کو مرجع خلائق دیکھا بالخصوص انگریزی داں تعلیم یافتہ حضرات بھی ان کی طرف کافی متوجہ ہیں اور فیض دینی اٹھا رہے ہیں۔ ان کے اصلاحی مقالات بندہ کو دکھلائے گئے، چند جگہ سے دیکھے۔ ماشاء اللہ تعالیٰ۔ مضامین میں وعظ کا رنگ ہے جو بیان و تقریر کی اصل غرض ہے۔ حق تعالیٰ مخلوق کے لئے نافع دین و دنیا بنائے۔ فقط والسلام

کتبہ العبد (مولانا) عقیل الرحمٰن (صاحب)

۱۵/شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ

تائید

نبیرۂ مسیح الامت حضرت مولانا مفتی حفی اللہ صاحب مفتاحیؒ
سابق مہتمم دارالعلوم مفتاح العلوم جلال آباد یوپی

میں بھی حضرت مولانا عقیل الرحمٰن صاحب کے ارشادات کی حرف بحرف تائید کرتا ہوں۔

(مولانا) محمد حفی اللہ (صاحب)

۱۵/شعبان ۱۴۴۰ھ

تقریظ

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر رفیق احمد پانپوری صاحب دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم الٰہیہ بڑھ پورہ سرینگر

باسمہ تعالی

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم۔۔۔۔

عصر حاضر میں لا دینیت اور جدیدیت کے روز بروز نت نئے فتنوں نے دنیا کی اکثریت بشمول امت مسلمہ کو مسحور کر دیا ہے۔ جو لوگ دین سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کا شوق رکھتے ہیں وہ بھی اکثر اب تلبیس ابلیس سے اکثر حق شناسی سے محروم رہتے ہیں، چونکہ آج کل طبیعتوں پر بالعموم سہولت پسندی اور تکاسل کا غلبہ ہے اس لئے وہ جلد اس تلبیس کا شکار ہوتے ہیں۔ اس بات پر اہل علم حضرات کا اتفاق ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی برکت سے اس امت کو مسخ صوری کی سزا نہیں دی جائیگی لیکن اس حفاظت میں مسخ باطنی شامل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے شدید ترین دنیاوی عذابوں میں مسخ باطنی اشد عذاب ہے، جس سے بندہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عذاب سے محفوظ فرماوے۔

اس وقت دنیا میں اتنا علمی مواد شائع ہوا ہے اور روز بروز شائع ہوتا رہتا ہے کہ پڑھنے والے کے لئے انتخاب کرنا اور صحیح اور غلط میں تمیز کرنا بہت ہی مشکل ہو چکا ہے، آج کل ہر ایک مخلص طالب حق کو حضرت ابن سیرین کی یہ روایت ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہئے۔

إن هذا العلم دين، فانظروا عمن تأخذون دينكم (رواہ مسلم)

بے شک یہ علم دین ہے پس غور سے دیکھو تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔

احتیاط اسی میں ہے کہ ہر ایرے غیرے کی کتاب نہ پڑھے، بلا تحقیق کسی کی کتاب نہ پڑھے، ہمارے حضرت جیؒ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ غیر صاحب

نسبت کی کتاب نہیں پڑھنی چاہئے کتاب کسی صاحب نسبت مصنف/مولف ہی کی پڑھنی چاہئے کیونکہ کسی کتاب کا مطالعہ اس صاحبِ کتاب کی نصف صحبت میں رہنے کے مترادف ہے اور اس کا اثر ضرور ہوتا ہے۔لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہئے اور جو نہایت ہی مجرب ہے وہ یہ ہے کہ خالی کتب بینی سے کام نہیں بنتا ورنہ لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو یہ نصیحت نہ کرتے۔

یا بنی، علیك بمجالسة العلماء، واسمع كلام الحكماء، فإن الله يحيي القلب الميت بنور الحكمة كما يحيي الأرض الميتة بوابل المطر ". (رواه الطبرانی فی الكبير، عن ابی امامة)

(میرے بیٹے! علماء کے پاس لازمی بیٹھنا اور حکماء کی گفتگو غور سے سننا کیونکہ اللہ تعالیٰ مردہ دل کو نورِ حکمت سے زندہ فرما دیتا ہے جس طرح کہ وہ مردہ زمین کو موسلا دھار بارش سے زندہ کر دیتا ہے)

چونکہ تقریظ میں اختصار مدنظر رہتا ہے اس لئے اسی پر بس کرتا ہوں اور زیر نظر کتاب ''مجالس صبح گاہی'' کی طرف آتا ہوں اللہ جل شانہ کا کرم اہل کشمیر پر ہوا اس طرح سے ہوا کہ اس نے دارالعلوم بلالیہ کو کم وقت میں اتنی مقبولیت بخشی جہاں سے نہ صرف حفاظ کرام اور علماء کرام کی ایک کثیر تعداد تیار ہوئی اور ہو رہی ہے بلکہ دل جلوں کی تشنگی کو انس کے پانی سے سیراب کرنے کا موقعہ بھی فراہم کیا۔اور یہ کام اللہ جل شانہ نے مفتی عبدالرشید صاحب سے لیا اور جس کے اثرات نہ صرف قرب وجوار میں ہی نہیں بلکہ دور دور تک محسوس کئے جاتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کے علم میں، اخلاص میں، تقویٰ میں مزید برکت دے اور ان کی ان کاوشوں کو اپنے دربار میں شرف قبولیت بخشے۔آمین۔

احقر ڈاکٹر رفیق احمد

تقریظ

حضرت مولانا مفتی تنویر الاسلام مفتاحی صاحب دامت برکاتہم
مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم مرجان پورہ سرینگر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بندۂ مؤمن جب کوئی عبادت، ذکر، تلاوت، نماز وغیرہ عشق ومحبت الٰہی سے سرشار ہوکر احسانی کیفیت کے ساتھ انجام دیتا ہے تو اس کے قلب میں ایک خاص قسم کے سوز و گداز اور کیف ونشاط کے ساتھ جلا ونورانیت پیدا ہوتی ہے جسے ذاکر واضح طور پر محسوس کرتا ہے۔ اہل سلوک اس کو حالتِ بسط سے تعبیر کرتے ہیں۔ البتہ کبھی کبھی یہ کیفیت محسوس ہونا بند ہوجاتی ہے اگر بغیر کسی ارتکاب معصیت کے ایسا ہوا ہے تو ذاکر کوملول اور کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہئے بلکہ اشغال واذکار میں مسلسل لگے رہنا چاہئے، ایسی حالت میں بھی اس کو مقصد ذکر یعنی قربِ الٰہی وتعلق مع اللہ حاصل رہتا ہے۔ اس حالت کواہل سلوک کی اصطلاح میں حالت قبض کہا جاتا ہے۔ حالت بسط میں قلب میں نورانیت کی وجہ سے منجانب اللہ اسرارِ شریعت واقوال معرفت کا قلب وزبان پر القاء واجرا ہونے لگتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے جو قیمتی باتیں نمازِ فجر کے بعد مسجد شریف میں بیان فرمائی ہیں ان کو پڑھ کر کچھ ایسا لگتا ہے کہ نمازِ تہجد سے نماز فجر تک کے اشغال واعمال سے پیدا شدہ قلبی نورانیت کا اثر ان میں نمایاں ہے اور بعض جملوں کی تعبیرات تو بالکل الہامی واالقائی محسوس ہوتی ہیں۔ یہ حضرت مفتی صاحب کی تواضع اور میری سعادت ہے کہ مجھ جیسے کمتر کوحضرت نے اس پر نظر ڈالنے کے لئے فرمایا۔ احقر نے جہاں تک ہوسکا اس کو پڑھا اور چند مقامات پر کتابت کی اغلاط پر نشاندہی کر کے اس کی تصحیح کی۔ دعا یہ ہے کہ اللہ رب العزت اس کے نفع کو عام وتام فرمائے اور ہم سب کے لئے اپنی رضا کا ذریعہ بنائے۔

العبد (مفتی) تنویر الاسلام (مفتاحی)

۵ رشعبان المعظم ۱۴۴۰ھ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی ممتاز احمد صاحب القاسمی (صدر المفتی دار العلوم بلالیہ سرینگر)

باسمہ تعالیٰ

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی رحمۃ العالمین و اصحابہ و اٰلہ و من تبعہ الی یوم الدین۔

اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں کی ہدایت کے لئے اور ان کی صحیح رہنمائی کے لئے اپنے برگزیدہ بندوں کو مبعوث فرماتے رہے اور ان برگزیدہ بندوں کا وجود ہر قوم میں رہا ہے جیسا خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ یعنی ہر قوم کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سیدھے راستے کی رہنمائی فرماتے رہے ہیں جن کے ذریعے لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ سیدھے راستے کی رہنمائی فرماتے رہے ہیں اور یہ سلسلے انبیاء کرام کے نائبین کے ذریعے تا قیامت جاری رہیں گے، راستے اور طریقے کی ہر نمازی سورہ فاتحہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتا ہے۔ وادی کشمیر میں جن شخصیات سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء کرام کی نیابت کا کام لیا ہے اور لے رہا ہے ان میں حضرت اقدس مفتی عبدالرشید صاحب مفتاحی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم بلالیہ لعل بازار سرینگر تربیت یافتہ حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ ہیں گویا اس خطے میں يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ کے وہ مظہر ہیں جن سے رب کائنات نے قرآن پاک کی بڑی خدمت لی اور لے رہا ہے اللہ تبارک تعالیٰ مزید قبولیت سے نوازے۔ آمین۔

اس عظیم خدمت کے علاوہ حضرت سے اللہ تبارک وتعالیٰ وَيُزَكِّيهِمْ فریضہ میں نیابت کی خدمت بھی لے رہے ہیں جس کا اندازہ قارئین کرام کو سردست مجالس صبح گاہی کے مجموعے سے بخوبی ہوجائے گا یہ حضرت کی ان مجالس کا مجموعہ ہے جن کو حضرت نے بغیر کسی تکلف اور تصنع کے محض دینی فریضہ کے طور پر سامعین کرام کے سامنے اس طرح پیش فرمائے کہ ''از دل خیزد بر دل ریزد کا عملی نمونہ نظر آتا۔ مثالوں کے ذریعہ بات کو خوبصورت انداز میں سمجھایا گیا ہے۔ اب مزید استفادہ کی خاطر ان مجالس کو رسالہ کی شکل میں جمع کردیا گیا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ فائدہ حاصل کرسکیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس مجموعے کو خوب نفع بخش بنائے۔ آمین

العبد (مفتی) ممتاز احمد قاسمی

۵ ر شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ

تقریظ

قاضی محمد عمران شاہ صاحب القاسمی (استاذ الحدیث دار العلوم بلالیہ سرینگر)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

عربی زبان کا ایک مشہور مقولہ ہے ''الانسان مرکب من الخطاء والنسیان'' یعنی انسان پر غلطی اور بھول جانا طاری ہوتا ہے۔ گویا یہ انسان کی ایک کمزوری ہے۔ رب العالمین چونکہ اس انسان کا خالق ہے اس کو انسان کی تمام خوبیوں اور خامیوں کا علم ازلی ہے۔ رب العالمین اس انسان کو خوبیوں کے ساتھ متصف دیکھنا چاہتے ہیں، بایں وجہ اس انسان کو خوبیوں اور خرابیوں کے درمیان فرق سکھانے کے لئے اللہ رب العالمین نے انبیاء علیہم السلام کا مبارک سلسلہ شروع فرمایا: ان انبیاء علیہم السلام نے تمام انسانوں کو یہ چیزیں بدرجہ اتم سمجھائیں۔ چونکہ حضرت آقائے نامدار محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے نبوت کا مبارک سلسلہ اللہ تعالیٰ نے ختم فرمایا۔ قرآن کریم میں اس کا اعلان یوں ہوا۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔

لیکن انسان تا قیامت آتے رہیں گے، خوبیوں پر نفس پرستی اور مادہ پرستی کی وجہ سے خرابیوں کی دھول چڑھ جائے گی اور عام انسان اپنے مقصد اصل سے غفلت میں پڑ جائیں گے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اللہ رب العزت نے صحابہ کرامؓ سے تذکیر کا کام لیا اور یہ تذکیر وموعظت کا سلسلہ تا حال قائم ودائم ہے جس کی وجہ سے کتنی ہی قلوب مصفی ومجلی ہو رہے ہیں۔

زیر دست کتاب بھی اسی سلسلہ تذکیر کی ایک کڑی ہے اس کا شان ظہور یہ ہے کہ دار العلوم بلالیہ کے بانی ومہتمم حضرت مولانا مفتی عبد الرشید صاحب دامت برکاتہم

نے کوئی ربع صدی قبل برصغیر کے مشہور عالم دین حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے تقریباً بارہ، تیرہ سال فیض حاصل کیا۔ وہاں سے واپسی کے بعد دارالعلوم بلالیہ کی داغ بیل ڈالی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب سے تعلیم کتاب وسنت کے ساتھ ساتھ تذکیر نفوس کا کام بھی لیا ہے اور لے رہے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کا مسجد بلالؓ میں عموماً نماز فجر کے بعد اساتذہ کرام طلباء اور دیگر مصلین کے سامنے بہت مختصر وقت کچھ نصیحت فرمانے کا معمول ہے، کچھ باہمت نوجوانوں نے ان نصائح کو ریکارڈ کیا اور پھر وقتاً فوقتاً اس میں سے کچھ دارالعلوم بلالیہ کے دوماہی رسالہ اذان بلال میں بھی شائع ہوتے رہے۔

اب آج جب برادرم سہیل معراج مسکین ذمہ دار شعبہ کمپوٹر نے یہ مژدہ سنایا کہ اب اذان بلال کے صبح صبح والے کالم کو مزید اضافہ کے ساتھ خانقاہِ مسیح الامت کی جانب سے کتابی شکل دی جارہی ہے تو دل باغ باغ ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبولیت سے نوازے اور یہ کتاب خود صاحب کلام اور دیگر معاونین کے لئے صدقہ جاری رہے۔ آمین۔

العبد (قاضی) محمد عمران شاہ عفی عنہ

۹/شعبان ۱۴۴۰

تاثرات

حضرت مولانا احمد سعید شاہ القاسمی لولابی دامت برکاتہم

رکن تاسیسی جمعیت علماء اہل السنۃ والجماعت جموں وکشمیر

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِی جَعَلَ نفوس الصَالِحِین صَالِحَة للمعرفة وقابلة لِعِرْفَانِہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ زَکّٰی نفوس الصحابة بشریعة واذعانه وَعَلٰی جَمِیْعِ الصَّحَابة وعترته الَّذِیْنَ اَفْلَحُوْا بِتَزْکِیَة نُفُوْسهم بعلو همهم ورضوانهم وعلی من تبعهم فِیْ رَغْبَتِهِمْ وَرَهْبَتِهِمْ ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفس کو خیر وشر پھوٹنے کا مرکز بنایا ہے۔

ارشاد بری تعالیٰ ہے:

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۔

(ترجمہ: اور جان کی اور اس کی جس نے اس کو درست کیا۔ پھر اس کو اس کی بدی اور نیکی سمجھائی)

جو لوگ اس کے تزکیہ میں لگ جاتے ہیں وہی کامیاب ہوتے ہیں (قَدْ اَفْلَحَ مَن زَکّٰهَا) اور جو اس کے سنوارنے کی فکر نہیں کرتے وہ دنیا وآخرت میں ناکام ہوتے ہیں (وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض منصبی میں سے ایک فریضہ یہ بھی تھا کہ امت کے نفوس کا تزکیہ فرمائیں (ویزکیھم) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملاً بلا واسطہ جن لوگوں کا تزکیہ فرمایا قیامت تک دنیا کو ایسے لوگوں کی مثال دوبارہ دیکھنا نصیب نہیں ہوگا، ان لوگوں کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جماعت کو رضی اللہ عنہم ورضوعنہ کی اعزازی سرٹیفکیٹ سے نوازا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں جن بزرگوں نے اس منصب کو سنبھالا وہ اولیاء اللہ اور صوفیان عظام کہلاتے ہیں، ہزاروں کی تعداد ایسے لوگوں کی رہی ہے جنہوں نے علاقائی اور مزاج وماحول کے اعتبار سے اس میدان میں کارہائے نمایاں انجام دئے۔ تابعین ہی کے دور سے امت میں

روحانی فساد اور قلبی بگاڑ (فسادِ نیت) کی وبا شروع ہوگئی تھی تو مشہور تابعی حضرت شیخ حسن بصریؒ نے معاشرہ کے ہر طبقہ کے ذمہ داروں حتی کہ حکمرانوں کو اس کا احساس دلا کر صحیح نہج پر چلنے کی دعوت دے دی۔ ایسے ہی لوگوں کی کوششوں کے نتیجے میں خلافت امویہ میں عمر بن عبدالعزیز کی شکل میں ایک صالح انقلاب نمودار ہوا تھا۔

جب خلفائے بنوعباسیہ کا دور شروع ہوا اور دین کے نام پر من مانیاں شروع ہوگئیں اور خوف آخرت کے بجائے مفاد پرستی فروغ پانے لگی تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور امام غزالیؒ اور شیخ عبدالرحمان ابن جوزی نے مرکز خلافت (بغداد) میں لوگوں کے اندر اصلاح نفس و اصلاح معاشرت کی ایسی روح پھونکی جس سے حکمرانوں کے ایوانوں میں زلزلے پیدا ہو گئے۔

اس سلسلہ میں عالم اسلام کے اندر جو سلاسلِ اربعہ (قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، چشتیہ) فروغ پائے اور اصلاح نفس و معاشرت کے طریقے وضع ہوئے۔ وہ زمان و مکان کے اعتبار سے خواہ کسی قدر مختلف رہے ہوں لیکن چاروں کا بنیادی مقصد حضور ﷺ کے اس فرض منصبی کو آگے بڑھانا تھا جو اس امت کی اصل روح ہے۔

ماضی قریب و بعید میں برصغیر کے اندر بھی اس نوعیت کے ہزاروں مراکز و خانقاہیں رہیں جن سے کروڑوں کی تعداد میں لوگ مستفیض ہوئے۔

ماضی قریب کے اندر اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے جو کام حضرت تھانوی علیہ الرحمہ اور ان کے خلفاء سے لیا وہ تاریخ کا اہم ترین باب ہے۔ اس پر علمی و عملی کام کرنے کی بڑی ضرورت ہے، اب تک اس پر جو کام ہوا ہے وہ بہت ناکافی ہے۔ تصوف کے سلسلہ میں جو تجدیدی کام حضرت تھانویؒ نے کیا ہے میرے خیال میں اس کی ضرورت صدیوں تک رہے گی۔

اصلاح نفس کے تین طریقے معروف ہیں:

(ا) صحبت: یہ ایک بہت مؤثر ترین طریقہ ہے، اصلاح نفس کے لئے اتنا اور کوئی طریقہ مؤثر نہیں ہے جتنا صحبت ہے، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نفوس مصفی و مزکی صحبت نبوی ہی سے ہوئے تھے۔

مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٩﴾

(ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع وسجود کر رہے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدہ کا نشان ہے یہی وصف ان کا تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف ہے مثل اس کھیتی کے جس نے اپنی سوئی نکالی پھر اسے قوی کر دیا پھر موٹی ہوگئی پھر اپنے تنہ پر کھڑی ہوگئی کسانوں کو خوش کرنے لگی تا کہ اللہ ان کی وجہ سے کفار کو غصہ دلائے اللہ نے ان میں سے ایمان داروں اور نیک کام کرنے والوں کے لیے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے)

کسی نے کیا خوب کہا:

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا[1]

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالع ترا طالع کند[2]

(۲) تعلیم وتذکیر:

یہ بھی فرائض منصبِ نبوی میں سے ہے (يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر پوری انسانیت تھی اس وجہ سے ان کی تعلیم امت دعوت و امت اجابت دونوں کے لئے ہے اور وہ خاتم النبیین کے منصب پر فائز ہیں اس وجہ سے قیامت تک پیش آنے والے مسائل کے متعلق ہیں۔ رہے امت کے دیگر مصلحین تو وہ اپنی اپنی حیثیت و صلاحیت اور علاقائی ضرورت اور مقامی حالات کی حد تک ہی کر سکتے ہیں لیکن ایسے لوگوں کے لئے بہر حال ایسی کوشش کرنا ضروری ہوتی ہے۔ بالخصوص جبکہ اس وقت نہ صحبت کے لئے کسی کو فرصت

---

[1] اللہ کے دوستوں کے ساتھ خلوص ومحبت اور ادب کے ساتھ ایک گھڑی کی محبت ومعیت سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

[2] صحبت اپنا اثر ضرور ضرور چھوڑتی ہے، نیکوکاروں کی صحبت تجھے نیک اور بدبختوں اور بدکاروں صحبت تجھے بھی برا بنا سکتی ہے۔

ہے اور نہ ایسی پرکشش وموثر شخصیات رہی ہیں جن کی صحبت میں بیٹھ کر طالبین کے دن کی دنیا آباد ہوجائے۔تعلیم کے کئی طریقے ہوسکتے ہیں۔تفسیر، درس حدیث، کسی اصلاحی کتاب کی تعلیم، وعظ، پند ونصائح، منتخب کتابوں کا مطالعہ (اپنے مرشد کی ہدایات کے مطابق) جن حضرات کے لئے ممکن ہو وہ ان طریقوں سے استفادہ کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ مدت اپنے شیخ کی خدمت میں ضرور گذارنا چاہیے تا کہ کسی حد تک ان دونوں طریقوں کا امتزاج ہوجائے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب کی پیش نظر مجالس ''مجالس صبح گاہی'' جو کتابی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور خانقاہ مسیح الامتؒ صحبتی تربیت کے لئے بنایا گیا ہے، کشمیر میں خانقاہ کو دوبارہ زندہ کرنا ایک کارنامہ سے کم نہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ دونوں کوششوں کو بارآور ثابت فرمائے، انسان جب تعلیم وتذکیر سے کٹ جاتا ہے تو قرآن پاک کی زبان میں اس کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے۔

وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ (ترجمہ:اور جو اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو ہم اس پر ایک شیطان متعین کرتے ہیں پھر وہ اس کا ساتھی رہتا ہے)

(۳) گذشتہ زمانے میں بزرگوں کے یہاں ایک طریقہ یہ بھی رہا ہے کہ وہ مسترشدین سے مجاہدے کرواتے تھے اور یہ زندگی کے ہر شعبے میں ہوتا تھا حتی کہ کھانے پینے، ہجرت، اسفار، چلہ کشی کرا کے بھی ہوتا تھا۔ اس سے بھی نفس امارہ کو توڑ کر نفس مطمئنہ پر لایا جاتا تھا، سابق میں بزرگوں کے یہاں ایسے معمول رہا ہے۔اگرچہ یہ بھی بہت مؤثر ہے اور بہت سے فوایدکا حامل ہے لیکن حالات کے بدلنے کی وجہ سے اب یہ بزرگوں کے یہاں تقریباً متروک ہے۔

ہمارے بزرگوں واکابرین کے یہاں دوسرا طریقہ ہی معمول بہا ہے لہٰذا اسی کو فروغ دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔

وَاللہ الموفق لما یحب ویرضٰی
انا الاحقر الافقر الی اللہ المجید
احمد سعید شاہ القاسمی لولابی
مورخہ یکم شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ

تاثرات

مولانا محمد اسلم صاحب القاسمی دامت برکاتہم
نائب مہتمم دارالعلوم بلالالیہ سرینگر

زیر نظر کتاب مجموعۂ مواعظ بنام ''مجالس صبح گاہی'' حضرت مفتی عبدالرشید صاحب مفتاحی مہتمم دارالعلوم بلالیہ کے مواعظ کا مجموعہ دراصل آپ کے پیر و مرشد حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ خلیفۂ اجل حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فیضان نظر کا پرتو ہے جن کے تعارف کے لئے یہ چند اشعار شاید موزوں رہیں گے جو حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے صدسالہ اجلاس کے موقعہ پر آپ کے تعارف کے لئے ارشاد فرمائے تھے۔

الشیخ مسیح اللہ شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مسیح اللہ شفاء درد ہجراں — مسیحیت بشانِ شان نمایاں
مریضان نفوس آتے ہیں حیران — مگر جاتے ہیں ہوکر شادوفرحاں
وہ شانِ اشرفی کا اک نشان — نہ اک گل مستقل خود گلستان ہیں
جہاں بھی پڑ گئے ان کے قدم آج — تو پائی اہل حق نے اپنی معراج

جن کی ذات والا صفات مرجع علماء وصلحاء تھی، حضرت مفتی صاحب نے مفتاح العلوم جلال آباد میں داخلہ لیا اور چند سال بعد ہی حضرت مسیح الامتؒ کے منظور نظر بن گئے، حضرت جیؒ نے آپ کو اپنی مسجد میں جہاں آپ پنج وقتہ نماز ادا فرماتے تھے امام منتخب فرمایا۔ تقریباً سات

سال تک مسلسل آپ نے وہاں امامت کے فرائض انجام دئے۔ بلکہ احقر کو یاد ہے کہ جب ہم رمضان کی چھٹی کے بعد واپس جلال آباد پہنچتے تو رمضان میں کوئی عارضی امام ہوتا تو حضرت جیؒ کو خود اعلان فرماتے ہوئے سنا اور دیکھا کہ" اب عبدالرشید آ گئے ہیں اب وہی نماز پڑھائیں گے"۔

ایک دفعہ مجلس چل رہی تھی تو آیت يَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ کے بارے میں ایک جملہ اس انداز سے ارشاد فرمایا کہ مفتی صاحب کی چیخ نکلی، حضرت مسیح الامتؒ نے سامعین کو مخاطب کر کے فرمایا، کیا سنتے ہو؟ اس کو کہتے ہیں سننا، اور اپنی شیخ کی طرف توجہ رکھنا۔

ایک دفعہ احقر گھر سے جلال آباد گیا مفتی صاحب نے حضرتؒ کے لئے مربع دیا، احقر نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر پیش کیا، تو فرمایا یہ کیا ہے؟ احقر نے بتایا یہ مربع ہے بھائی نے دیا ہے۔ فرمایا یہ سیب کا ہے یا آم کا پھر خود ہی فرمایا کشمیر میں تو آم نہیں ہوتے سیب کا ہوگا میں نے اسبات میں جواب دیا پھر حضرت نے اس کو دونوں ہاتھوں میں لے کر سر پر رکھا اور غالباً آنکھوں سے لگایا فرمایا میرے بیٹے نے بڑی محبت سے بھیجا ہوگا۔

غرض یہ کہ مواعظ مجالس صبح گاہی دراصل انہی روحانی اور باطنی توجہ کا اثر ہے جو بعض دفعہ حضرت مفتی صاحب کو لبریز کرتے تھے۔ **مفتی صاحب کو بچپن سے پچپن تک بھائی ہونے کے ناطے سے دیکھا، آپ بچپن سے سعید تھے اسعد بننا مقدر تھا، وقت کے ولیٔ کامل، جنید زمانہ، مسیح الامتؒ کی آغوش تربیت میں آکر ایسے منظور نظر بن گئے کہ اب خود صاحب نظر بن گئے۔ اَللّٰهُمَّ زِدْ فَزِدْ وَاسْتَقِمْ**

(مولانا) محمد اسلم (صاحب قاسمی)

حضرت مسیح الامت رحؒ کی صحبت مبارکہ اور مجالس شریفہ کے اثرات

حضرت مفتی صاحب (دامت برکاتہم) کے اس مضمون کو ۱۹۹۳ء میں ماہنامہ ''النور'' (بانڈی پورہ کشمیر) کے ''مسیح العصر حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ سے متعلق مضامین پر مشتمل خاص شمارے'' میں شائع کیا گیا تھا۔ احباب کے استفادے کے لئے اس کتاب میں دوبارہ شائع کیا جاتا ہے۔ (ناشر)

میرے آقا و مرشد حضرت مسیح الامت جلال آبادی نور اللہ مرقدہ کو ذاتِ برتر نے ہر قسم کی ظاہری اور باطنی خوبیوں سے نوازا تھا۔ ذٰلك فضل الله يوتيه من يشاء

اس وقت جب کہ میں حضرت اقدسؒ کی شان مبارک کے بارے میں قلم اٹھانے کی جرأت کر رہا ہوں تو حضرت کی مبارک زندگی کے وہ تمام پہلو میری آنکھوں کے سامنے آرہے ہیں جن کا مشاہدہ و معائنہ میں نے جلال آباد میں بارہ سال رہ کر کیا ہے اور آپ کی مبارک زندگی کا ہر پہلو مجھے چھیڑ رہا ہے کہ مجھے چھوڑ کر کہاں جارہے ہو بلکہ پہلے مجھ ہی سے لپٹ کر حضرت والا کی صحبتِ مبارکہ میں ہونے والی روحانی چھیڑ کو چھیڑ کر اپنی موجودہ سقیم روح کو وہی غذا میسر کر کے تازہ کر جو اس کو حضرت کے یہاں اس قدر ملا کرتی تھی کہ بسا اوقات لبریز ہوجایا کرتی تھی۔ ؎

بگوشِ گل چہ سخن گفتہ ای کہ خنداں است
بعندلیب چہ فرمودہ ای کہ نالاں است

اور ہر پہلو یہ کہہ رہا ہے کہ میرے لئے تو ضخیم سے ضخیم کتاب بھی کم ہے چہ جائے کہ یہ چند سطور تو پھر حضرت والا کی مبارک زندگی کے تمام پہلوؤں کو بیان کرنے کا خود ہی اندازہ

ہوسکتا ہے۔اب چونکہ حضرت والا کی مبارک زندگی کا ایک اہم پہلو بذریعہ اصلاح باطنی و درستگی اخلاق خدا سے دور بندوں کو خدا رسیدہ بنانا، قلوب انسانی کو غیر حق سے پاک و صاف کر کے ذاتِ حق کے لئے خالی کرنا اور سالکین طریقت و طالبین معرفت کو جامہائے معرفت بھر بھر کر پلانا تھا۔اس لئے اسی سے متعلق چند باتیں عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی صحبت مبارکہ ومجالسِ شریفہ میں جو اثر عظیم ذاتِ برتر نے ودیعت فرمایا تھا اس کو حقیقی طور پر سمجھنا خود ہی حضرت کی صحبت مبارکہ و مجالسِ شریفہ میں حاضر ہونے سے ہوسکتا تھا۔ چنانچہ خوش نصیب حضرات کو خدائے برتر نے یہ نعمتِ عظمیٰ عطاء فرمائی ہے۔ان کے سامنے کیسے بھی بہتر سے بہتر عنوانات ومضامین کی صورت میں ان عظیم اثرات کو بیان کیا جائے تو وہ بھی سمجھیں گے کہ:

چہ نسبت خاک را با عالم پاک[1] تاہم مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ[2] کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جو کچھ سمجھ میں آیا اس کو پیش کرنے میں ہی اپنی سعادت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت کی صحبت مبارکہ اور مجالسِ شریفہ کے فیوضات وتوجہات مختلف نوعیت کے ہوتے تھے۔ سریع الاثر بھی اور بطئ الاثر بھی، وقتی بھی اور دائمی بھی۔لیکن اثرات وقتیہ بھی اپنے ان قیمتی لمحات میں ایک اثرِ دائمی چھوڑ جاتے ہیں جو سالک کے لئے ذریعہ ترقی بن جاتے ہیں ۔ان اثرات کو سمجھانے کے لئے ایک مبتدی سالک کے تاثرات بطور مثال قارئین کے سامنے عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے (جس سے منتہی حضرات کی حالت کا کچھ اندازہ ہوجائے گا) سالک مذکور کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت کی مجلس شریفہ میں

۱۔ بھلا مٹی کو یعنی سفلی اور حیوانی خواہشات میں پھنسے ہوئے شخص کو پاک و پاکیزہ عالم کے ساتھ کیا نسبت ہوسکتی ہے اور اس کو کیسے ان احوال ومقامات کا ادراک ہوسکتا ہے۔

۲۔ جس چیز کو مکمل طور پر حاصل نہیں کیا جاسکتا ہو اس کو مکمل چھوڑنا بھی نہیں چاہئے یعنی اس کل میں سے جتنا بھی حاصل کرنا ممکن ہو اتنا کرنا چاہئے۔

حاضر تھا، دوران مجلس حضرت نے قُلِ الرُّوحُ مِن امرِ رَبِّی پر ایک جملہ ایسے انداز میں بیان فرمایا کہ بیچ میں سے تمام حجابات مرتفع ہو گئے اور اس سالک کی روح گویا بدن سے جدا ہو کر وصل عریان سے مشرف ہوئی اور اس وقفے حواسِ جسمانی اختیار سے باہر تھے۔

ایک اور موقع پر سالک مذکورہ کا کہنا ہے کہ حضرت کے ایک اور جملہ سے ایسا لگتا ہے کہ واقعی ذات حق یقیناً اس وقت میں قلب میں جلوہ گر ہے اور غیرہٗ کا نام ونشان بھی نہ تھا۔

سالک مذکور کا یہ بھی بیان ہے کہ حضرت کی صحبتِ مبارکہ و مجالسِ شریفہ میں میرے اوپر ایسے لمحات بھی گذرے ہیں کہ دنیا و مافیہا تو کیا اگر جنت بھی بغیر دیدار خداوندی کے ان لمحات کے عوض میں مل جاتیں تو لینا گوارہ نہ ہوتا۔

جو چند ساعتیں یادِ دلبر میں گذریں
وہی ہیں وہی بس میری زندگانی

مزید وضاحت کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سالک کی اصلاح مکاتیب کے چند اقتباسات مع حضرت کے جوابات کے نقل کئے جاتے ہیں۔

(حال) بعض اوقات اور اکثر نماز میں خاص کر سجدہ کی حالت میں ایسا لگتا ہے کہ ذات حق سامنے ہے اور بے کیف احقر دیکھ رہا ہے کہ پھر بعض مرتبہ تو عظمت خداوندی کا تصور ہوتا ہے تو اس وقت کانپ جاتا ہوں اور یوں لگتا ہے کہ زمین کے نیچے کو دبے جاتا ہوں اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی بے انتہا شفیق کے سامنے ہوتا ہوں اور نہایت عاجزی سے باتیں کر رہا ہوں۔

(جواب) مبارک ہو یہ سیر فی اللہ کے آثار

(حال) جب ذکر کرنے بیٹھتا ہوں تو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا اور ایسی لذت محسوس ہوتی ہے اگر کہہ دوں کہ اب میرے لئے اس سے لذیذ چیز کوئی نہیں تو مبالغہ نہ ہوگا اور سجدے میں تصورات بالا کے ساتھ جب یہ خیال آتا ہے کہ مجھے اس حال میں دیکھ رہے ہیں تو اس وقت کی فرحت ولذت کو احقر بیان نہیں کر سکتا اور کبھی تصور بھی ہوتا ہے کہ روح

بدن سے ابھی باہر نکل جائے لیکن ایسا اتفاقاً کبھی ہوتا ہے۔

(جواب) انابت بجذب باادبیت مبارک

(حال) بفضل اللہ تعالیٰ حضرت والا کی برکت سے استحضار حق تعالیٰ دن بدن بڑھتا جارہا ہے دو تین دن سے استحضار کی جو کیفیت ہوتی ہے احقر اپنے قلم وزبان سے اس کو بیان نہیں کرسکتا، پہلے جو سجدہ کی حالت میں حق تعالیٰ کے علو و بلندی کا تصور کرتا تھا اب ایسے میں یہ تصور کرنے سے ایسا لگتا ہے کہ حق تعالیٰ تو سامنے ہیں اور میں دور جارہا ہوں کہ وہ تو صفت ہے حق تعالیٰ کی اور حق تعالیٰ سامنے ہیں۔

(جواب) یہ مشاہدۂ بے کیف مبارک۔ یہ حال محمود مطلوب، مرتفع موانع حسنات، موجب محکم حسنات بفضلہٖ تعالیٰ۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ وَاسْتَقِمْ

ممکن ہے کہ بعض باتوں پر طریق سے عدمِ مناسبت کی بنا پر کسی کو کچھ اشکال پیدا ہو تو ان کے لئے حافظ شیرازیؒ کا یہ شعر نقل کردینا کافی معلوم ہوتا ہے۔ ؎

زاہدے ظاہر پرست چوں حال ما آگاہ نیست

درحق ما ہر چہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست [1]

ایک سالک کا کہنا ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوا کہ میں مسجد شریف میں نماز کے انتظار میں اور حضرت والا مسجد شریف میں نماز کے لئے تشریف لائے اور حضرت کی نگاہِ مبارک جو میرے اوپر پڑی تو قلب کی گہرائیوں کے ساتھ ساتھ بقیہ اندرون بدن میں ٹھنڈک محسوس ہوتی۔

حضرت والا کی مجلس شریفہ کا حال یہ تھا کہ۔۔۔ کیسا بھی غمگین آپ کے پاس آتا تو وہاں سے قلبی سکون لے کر اٹھتا، اجنبی آدمی سے حضرت اس طرح پیش آتے کہ گویا حضرت والا کو انہی سے زیادہ محبت ہے۔ کئی سال تک حضرت والا کے حکم سے حضرت کے ہوتے ہوئے نماز بھی پڑھائی

---

[1] ۔ظاہر پرست اور صرف ظاہر کو دیکھنے والا زاہد چونکہ ہمارے احوال سے واقف نہیں ہے، اس لئے وہ بیچارا ہمارے بارے میں کچھ بھی کہے تو کوئی پریشانی کی بات نہیں اور ناگواری کی ضرورت نہیں۔

لیکن بار ہا ایسا ہوا کہ ملاقات وغیرہ کی غرض سے مجلس خانہ تک گیا لیکن غلبۂ رعب کی وجہ سے واپس آ گیا اور اندر جانے کی ہمت نہ ہوئی لیکن جب کبھی حضرت کے پاس بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا خاص کر تنہائی میں تو اٹھنے کو جی نہ چاہا۔

مسرت جتنی ہوتی تھی ملاقات ان سے کرنے میں
زمانے بھر سے مل کر بھی خوشی اتنی نہیں ہوتی

جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ من راہ بدیہة ھابہ و من خالطه معرفة احبه یہ اسی کی ایک جھلک تھی۔

حضرت کی مجلس شریفہ میں ہر ایک اپنے کو ہی حضرت کا مخاطب سمجھتا ؎

دیکھو تو چشمِ یار کی جادو نگاہیاں
ہر ایک کو یہ گماں کہ مخاطب ہمیں رہے

حضرت اکثر مجالس شریفہ میں ایسے مضامین بیان فرماتے کہ سامعین بسا اوقات باوجودیکہ بڑے بڑے علماء اور دوسری جگہوں سے اجازت یافتہ خلفاء ہوا کرتے تھے۔ حضرت کے حیرت انگیز کلمات احادیث شریفہ کی تشریح اور آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر پھر ان سے استنباط سن کر حیرت زدہ رہتے۔

حضرت کے یہاں اولین درجہ اصلاح باطن اور درستگیٔ اخلاق کو تھا آپ یہ چاہتے تھے کہ امت مسلمہ کے اخلاق ایسے ہوں کہ دنیا ہی ان کے لئے جنت بن جائے جس کا عملی نمونہ حضرت کی خانقاہ شریفہ تھی:

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد   کسے را با کسے کارے نباشد

اخدا کرے حضرت کا فیض جس طرح آپ کی مبارک زندگی میں جاری وساری تھا آپ کے بعد بھی یہ فیض دن بدن ترقی پذیر ہوتا رہے اور اس مصرعہ کا مصداق بن جائے۔

؎ بجھ گئی ہے شمع لیکن روشنی محفل میں ہے

ا۔ جنت وہ جگہ ہے جہاں کوئی تکلیف اور پریشانی نہ ہو اور کسی کو بھی کسی کے ساتھ کوئی مسئلہ نہ ہو۔

مجالسِ صبح گاہی

پرہنوزادہ طارق حسین

نوشتہ دل سوز و پراثر ہے ،مجالس صبح گاہی واللہ
دوائے دل جان اور جگر ہے، مجالس صبح گاہی واللہ

نوائے بلبل صدائے قلقل بہار گلشن کی جانفشانی
علوم حق سے یہ پر بحر ہے، مجالس صبح گاہی واللہ

مسیحِ امت جلال آبادیؒ کے فیضِ عرفان کا ہے خزینہ
یہ فیض انکا ہوا نشر ہے، مجالس صبح گاہی واللہ

یہ شیخ عبدالرشید صاحب کے ہیں افادات و پند نامہ
یہ آمد آوردۂ سحر ہے ،مجالس صبح گاہی واللہ

کہ تشنگاں کو نصیب طارقؔ ہوئی ہے سوغات بے مثل اب
یہ مخزن صاحب ہنر ہے ،مجالس صبح گاہی واللہ

دمِ عارف نسیمِ صبح دم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجالسِ صبح گاہی

حمد باری تعالیٰ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ

تیرا آئینہ عالم رنگ و بو ہے
جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے

ہزاروں حجاب اور اس پر یہ عالم
کہ چرچا تیرا جا بہ جا، کو بہ کو ہے

ثناء خواں ترا دہر کا ذرہ ذرہ
سبھی کی زباں پر تری گفتگو ہے

جمال ازل قدرتِ مطلقہ کی
شہادت سے معمور ہر چار سو ہے

تیرے فضل و رحمت نے بخشا ہے سب کو
بس اب تو میری ایک ہی آرزو ہے

کہ کر دے مجھے ایسے بندوں میں شامل
کہ اشکِ سحر گاہ جن کا وضو ہے

بجاہِ شفیع حبیبِ دو عالم
کہ جو عالمِ کون کی آبرو ہے

شفیعِ گنہگار و خستہ بھی حاضر
بامید عفو و کرم روبرو ہے

مومن کا اصل کام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ۔ اَمَّا بَعۡد:

مومن بندے کا کام ہے کہ اپنے رب کو ہر حال میں یاد رکھے کسی حال میں اللہ سے غافل نہ رہے اور کسی حال میں اپنے رب کو نہ بھلائے، اس لئے کہ اللہ کو بھلانے کی سزا جہاں آخرت میں ہوگی تو دنیا میں بھی ہوگی۔

فرمایا: وَلَا تَکُونُوا کَالَّذِینَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمۡ أَنفُسَهُمۡ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الۡفَاسِقُونَ۔ (سورۃ الحشر: 19)

ترجمہ: ''اور ان کی طرح نہ ہوں جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا پھر اللہ نے بھی ان کو (ایسا کر دیا) کہ وہ اپنے آپ ہی کو بھول گئے یہی لوگ نافرمان ہیں'' اس لئے مومن بندہ ہر حال میں اللہ کو یاد رکھے اور یاد کرے۔

یاد کے تین درجے ہیں، ایک زبان سے اللہ کا نام لے، ایک دل سے اللہ کو یاد کرے، ایک عمل کے ذریعہ اللہ کو یاد رکھے، عمل کے ذریعہ اللہ کو یاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت یہ دھیان رہے کہ میرے کسی عمل سے میرا مولا مجھ سے ناراض نہ ہو جائے، اصل تو مومن کا کام یہی ہے۔ ہم پر چونکہ غفلتیں طاری رہتیں ہیں ہم نے دنیا و مافیہا کو ہی عملاً اصل سمجھ رکھا ہے اسی لئے جو مخصوص کام اور جو مخصوص عبادات اللہ نے صرف اور صرف اپنی یاد کے لئے متعین کئے ہیں ان میں بھی ہم کو اللہ

یاد نہیں آتا ہے۔نماز اللہ کو یاد کرنے کا سب سے عظیم ذریعہ ہے اور قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کریم ﷺ کو مخاطب بنا کر ارشاد فرمایا: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ (طٰہٰ: 15)(میری ہی یاد کے لیے نماز پڑھا کر) ۔اسکے برعکس ہمیں نماز کے اندر بھی نہ معلوم کہاں کہاں دھیان رہتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے مومن بندہ سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے[1]، لیکن کس قدر افسوس اور کس قدر غفلت کی بات ہے کہ ہم نے سجدہ کیا اور پورے سجدے میں ایک مرتبہ بھی اللہ یاد نہیں آیا، پانچ منٹ اللہ کے سامنے کھڑے رہے، اللہ کا کلام سنتے رہے، اللہ کا کلام پڑھتے رہے، ایک مرتبہ بھی اللہ یاد نہیں آیا۔ ہمارا سر جھکا، ہماری کمر جھکی ، ہمارے اعضاء جھکے لیکن اللہ کی نگاہ ہمارے بدن کے جس عضو پر تھی وہ جھکا ہی نہیں ،وہ عضوء دل ہے۔ میں اسی لئے بار بار کہا کرتا ہوں کہ نماز کے اندر آدمی کو اپنے جسم کا رخ خانہ کعبہ کی طرف کرنا پڑتا ہے، اور کرتے بھی ہیں ۔ ہر نمازی یہ خیال تو رکھتا ہے کہ پیر کہاں ہو، پیروں کی انگلیاں کہاں ہو، سر کس کیفیت کے ساتھ ہو، ہاتھ کہاں باندھوں، رکوع میں کہاں نگاہ رہے، سجدہ میں کہاں نگاہ رہے، قیام میں کہاں نگاہ رہے، التحیات کی حالت میں کہاں نگاہ رہے، تو ہر عضو کے رکھنے کا جو ادب ہے ہم کوشش کرتے ہیں کہ اس ادب کے ساتھ وہ عضو رہے۔لیکن دل اپنے کام میں رہے دل کی نگاہ اپنے مرکز کی طرف رہے، دل کی آنکھیں دل کے قبلہ کی طرف رہیں، اس کی فکر ہی نہیں، جبکہ پیغمبر کریم ﷺ نے احسان کے بارے میں ارشاد فرمایا :اَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہ[2] یعنی اللہ کی بندگی ایسے کرو گویا کہ آپ اس کو دیکھ رہے ہیں، لہٰذا ہر حال میں ایسے رہنا چاہئے ،لیکن کم از کم نماز ،

---

[1] رواہ مسلم۔] وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أنَّ رسُولَ الله ﷺ قَالَ: أقربُ مَا يَكونُ العبْدُ مِن ربِّهِ وَهو ساجدٌ، فَأَكثِرُوا الدُّعاءَ

[2] صحيح البخاری | كِتَابٌ : الْإِيمَانُ | بَابُ سُؤَالِ جِبْرِيلَ النَّبِيَّ عَنِ الْإِيمَانِ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ : مَا الْإِيمَانُ ؟ قَالَ : " الْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَبِلِقَائِهِ، وَرُسُلِهِ، وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ ". قَالَ: مَا الْإِسْلَامُ ؟ قَالَ : " الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ، وَلَا تُشْرِكَ بِهِ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ ". قَالَ: مَا الْإِحْسَانُ ؟ قَالَ : " أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

تلاوت، ذکرواذکاروغیرہ جواللہ کی مخصوص عبادات ہیں اورکہلائی جاتی ہیں،ان میں کَاَنَّکَ تَرَاہُ کی کیفیت رہے۔سجدہ، جہاں بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے،لیکن اتنے قریب ہوجانے کے بعد ایک مرتبہ بھی اللہ یادنہیں آیا۔اللہ کے اتنے قریب گیااوروا پس آیا کچھ بھی اپنے اندرتغیروتبدیلی محسوس نہیں ہوئی۔آدمی بعض مرتبہ کسی بزرگ سے اخلاص اورطلب کے ساتھ ملتاہے،تو ملتے وقت اوروہاں سے نکلتے وقت اپنے اندرکچھ فرق محسوس کرتاہے۔اور یہاں یہ اللہ کے اتنے قریب، اتنے قریب گیا کہ اس سے قریب ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں ،لیکن جیسا گیاویساہی لوٹا یعنی غفلت کے ساتھ گیا،غفلت کے ساتھ رہااورغفلت کی حالت میں ہی واپس آیا ،اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریزہوا،اورواپس آیاکوئی بھی فرق محسوس نہیں کی، یہ بہت بڑی غفلت کی علامت ہے۔غرض یہ کہ مومن بندے کا کام یہ ہے کہ وہ ہرحال میں اپنے رب کو یادرکھے، یاد کرے، نہ کہ ان حالات اور ان مخصوص عبادات میں بھی اپنے اللہ کو یادنہ کرے جن مخصوص عبادات کواللہ کی یادہی کے لئے متعین کیا گیا۔

نمازاورذکراللہ کے بارے میں پیغمبرکریم ﷺ کوارشادفرمایا گیا، راتوں کواٹھنے کاحکم دیاگیا ’’قُمِ اللَّيْلَ ‘‘[المزمل : 2](رات کو قیام کر) اسکے بعد حکم دیا گیا وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً[المزمل : 4] (اورقرآن کوٹھہرٹھہرکر پڑھاکرو) پھرحکم دیا گیاوَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ ،(اور آپ اپنے پروردگار کے نام کو یادکرتے رہئے)یعنی اپنے رب کے نام کا ذکرکیجئے ،اپنے رب کا نام لیجئے ،لیکن ایسےنہیں بلکہ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً [المزمل : 8]۔ (سب سے الگ ہوکراسی کی طرف متوجہ رہئے)یعنی رب کا نام لےکرآپ ہمہ تن اسی کی طرف متوجہ رہیں، ہرطرف سے یکسوہوکر، ہرطرف سے کٹ کر،بس اللہ ہی کے ہوکررہئے۔مومن بندہ کا بھی کام یہی ہے کہ کم سے کم جب اللہ کی بارگاہ میں کھڑارہےتو اس کا استحضار رہے کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں، جھک گیاسجدہ کیا،ٹھیک ہےہتھیلیاں رکھیں، انگلیاں رکھیں، پیشانی رکھی، گھٹنے رکھے،لیکن دل بھی رکھا یانہیں رکھا۔جبکہ اللہ کی نگاہ دل پر ہوتی ہے کہ میرے بندے کا دل جھکا ہے یانہیں جھکا۔

نمازوں کی جو قدر و قیمت، نمازوں کا جو وزن اور اللہ کی بارگاہ میں نمازوں کی مقبولیت کا جو اصل دارومدار ہے وہ دل کی کیفیت پر ہے اسی لئے ایک امام کے پیچھے بعض مرتبہ ہزاروں لوگ نماز پڑھتے ہیں۔حرمین شریفین میں لاکھوں لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، ظاہر بات ہے کہ سب کی نماز ایک جیسی نہیں، حالانکہ کعبۃ اللہ کے سامنے سب کے سب، امام سب کا ایک اسی کا قرآن سب نے سنا، اسی کی اقتداء میں رکوع کیا، قیام کیا، سجدہ کیا، سب کچھ کیا، لیکن لاکھوں لوگوں کی نماز میں جو بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے ’’کسی کی نماز کسی درجہ کی اور کسی کی نماز کسی درجہ کی‘‘ ایک امام کے پیچھے اتنے سارے مقتدی ہیں، تفاوت اور فرق کس وجہ سے ہے؟ اسی دل کی وجہ سے۔کوئی بس جسم کے ساتھ کھڑا ہے اور کوئی دل کے ساتھ کھڑا ہے، اس استحضار کے ساتھ کھڑا ہے کہ میں اپنے اللہ کے سامنے کھڑا ہوں، میں اپنے اللہ کے سامنے جھک گیا، میں نے اپنے اللہ کو سجدہ کیا، میں اپنے اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کرتا ہوں، اور میرا اللہ تو میری اس تسبیح اور پاکی کو سن رہا ہے، زبان سے نکلے ہوئے کلمات کو بھی سن رہا ہے، اس کے اندر جو اللہ کی پاکی اور کبریائی کا استحضار ہے اللہ اس کو بھی جانتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہماری غفلتوں کو دور کردے۔(آمین)

تلاوت مع تدبر قرآن

اللہ تعالیٰ کی عظمت کے ساتھ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی
اَمَّا بَعْدُ:

آج کل کے زمانے میں بے شمار تصنیفات اور بے شمار کتابیں ہیں اور مختلف لوگ مختلف افراد کی تصنیف اور تالیف کی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں، آدمی جب کسی کی کتاب کا مطالعہ عقیدت کی بنیاد پر کرتا ہے تو اسے اس کی کتاب پڑھ کر فائدہ ہوتا ہے، کبھی کسی کے کمالات کا قائل ہو کر اس کی کتابوں کو پڑھتا ہے، چاہے عقیدت نہ بھی ہو، لیکن جب کسی کی کتاب کو پڑھتا ہے تو اس کے کمالات سامنے آجاتے ہیں اور کبھی عقیدت بھی ہوتی ہے اور اس کا علمی مقام بھی سامنے ہوتا ہے جب دونوں چیزیں مل جاویں تو اس سے وہ زیادہ سے زیادہ استفادہ کرتا ہے۔

اس کائنات میں کسی بھی کتاب کو (چاہے وہ کسی بھی فن کے متعلق ہو) شبہ سے بالاتر نہیں کہا جاسکتا، سوائے کلام اللہ کے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی اس مقدس کتاب کا جب تعارف کرایا تو سب سے پہلے "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ" فرمایا یہ ہے کتاب جو واقعی کتاب کہلانے کے لائق ہے اور اس کتاب کی سب سے پہلی شان یہ ہے: لَا رَيْبَ فِيْهِ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، اس کے بعد هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ فرمایا یعنی یہ ہدایت ہے متقین کیلئے، جن کے

دلوں کے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت ہو، اللہ تعالیٰ کی عظمت ہو اور جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے قائل اور معتقد ہوں، ان کیلئے ہدایت ہے۔ سب سے پہلا کمال جس کو فرمایا: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ کتاب اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ دنیا کی کوئی کتاب نہیں ہے چاہے دین سے متعلق ہو یا دنیا سے متعلق ہو کسی بھی کتاب میں کہیں نہ کہیں چون و چرا کرنے کی گنجائش تھی اور کرنے والوں نے کرلیا، لیکن کلام اللہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں چون و چرا کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اور اگر کوئی کرے گا تو یہ اس کے دماغ کی خرابی ہوگی، قرآن مقدس کی تو شان یہ ہے:

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ [البقرۃ: 2]

یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے۔

اب جو قرآن مقدس کا مطالعہ کریگا تو دو حیثیت سے کریگا، ایک آدمی تو وہ جو اس کے کمالات اور اس کے علوم کو سامنے رکھ کر اس کا مطالعہ کریگا اس کو وہ چیز تو حاصل ہوگی، دوسرا وہ اللہ کا بندہ جو عقیدت کے ساتھ ہدایت کے لئے پڑھے گا تو اس کے لئے یہ کتاب سراپا ہدایت ہے: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ متقین کیلئے ہدایت، اس سے جو استفادہ کریں گے وہ متقین کریں گے، وہ لوگ جو عقیدت کے ساتھ، محبت کے ساتھ، عظمت کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کریں گے، اس کتاب کو پڑھیں گے اس کتاب کے اندر تدبر کریں گے غور و فکر کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کے لئے اس کتاب کے ذریعہ ہدایت کے دروازے کھول دیں گے، ایسے لوگوں کے سینوں پر اس کتاب کے معارف کو کھول دینگے اور ایسے لوگوں کے سینوں کو قرآن پاک کیلئے کھول دینگے، اس کتاب کو پڑھنے والے، اس میں تدبر اور غور و فکر کرنے والے کا تعلق دن بدن اس کتاب کے ساتھ بڑھتا جائیگا۔

اس کا تقاضا یہ تھا کہ کائنات میں سب سے زیادہ توجہ ایک مومن بندہ اسی کتاب کی طرف دیتا، لیکن جب عمومی نگاہ ڈالی جاتی ہے تو سب سے زیادہ کم توجہ اسی کتاب کی طرف جاتی ہے۔ تلاوت کے اعتبار سے تو نہیں کہا جا سکتا، تلاوت کی حیثیت سے اس کتاب کو تو پڑھا

جاتا ہے، لیکن تدبر کے اعتبار سے غور وفکر کے اعتبار سے اس کتاب (قرآن مقدس) کے ساتھ اکثر ہم پڑھے لکھے لوگوں کی طرف سے بھی ناانصافی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔کوئی ذہین طالب علم ہو کسی بھی کتاب کو دیکھے تو فوراً اس کا ترجمہ کریگا اس کا مطلب سمجھے گا، لیکن قرآن مقدس......! ترجمہ پڑھا بھی ہو، تفسیر پڑھی بھی ہو، لیکن جہاں کھولا، جہاں سے اس کا ترجمہ پوچھا جائے، جہاں سے اس کا مطلب پوچھا جائے، جہاں سے تفسیر پوچھی جائے تو بتا سکیں......! بہت کم اللہ کے بندے ایسے ہیں جو اس انداز سے قرآن مقدس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

توسب سے زیادہ توجہ کی مستحق کتاب قرآن مقدس ہے اور سب سے پہلا مقام اسی کا ہے، بقیہ کتابوں کا اپنا اپنا ایک مقام اپنی اپنی ایک حیثیت تو ہے، اس کا انکار نہیں۔لیکن سب سے مقدم قرآن مقدس ہے، سب سے زیادہ توجہ کی مستحق کتاب قرآن مقدس ہے، اللہ کا کلام تو عقیدت کے ساتھ، اللہ کی عظمت کو مستحضر رکھتے ہوئے پڑھنا چاہئے۔

اگر آپ کوئی بات سنادیں تو سامعین اتنی توجہ سے نہیں سنتے لیکن جب سنیں تو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوگا لیکن اگر آپ پہلے اس (جس کی بات کہی جائے) کا تعارف کرائیں، اس کا علمی مقام، اس کا عملی مقام، اس کا تقوی، اس کی پرہیز گاری کو بیان کریں، اس کے بعد اس کا

> بس دنیا میں اگر کوئی حق تعالیٰ کو دیکھنا چاہے تو وہ قرآن میں تجلی دیکھ لے۔
>
> **کلام اللہ میں حق تعالیٰ متجلی ہیں۔**
>
> حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ
>
> (التبلیغ جلد سوم صفحہ ۱۰۹ مطبوعہ مکتبہ دانش دیوبند)

وہ ملفوظ اوراس کی بات سنائیں، اس سے کچھ اور ہی فائدہ ہوگا، میں کہا کرتا ہوں اگر کوئی اچھا آدمی ہمارے سامنے گفتگو کر رہا ہو ہم اس کی بات کو سن رہے ہوں تو فائدہ ہوگا ہی اور پھر اگر اچانک ہم سے کہا جائے کہ یہ جو بات آپ لوگوں کے سامنے کر رہے ہیں آپ کو معلوم ہے کہ یہ کون ہیں؟ پھر کہا جائے یہ تو سیدنا امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ ہیں، پہلے ۱۵ منٹ ہم نے یہ بات سنی اب حضرت امیرؒ کا تعارف سننے کے بعد بات صرف دو منٹ سنی، یقیناً ان ۱۵ منٹ کی بات سننے سے اتنا فائدہ نہیں ہوگا جتنا حضرت امیر کے تعارف کے بعد ان کی بات دو منٹ سننے سے فائدہ ہوگا۔ کیوں۔۔۔؟

پہلے بھی ان ہی کی بات تھی، زبان بھی وہی، دل بھی وہی، سب کچھ وہی، لیکن وہ عقیدت وہ محبت اس وقت نہیں تھی، کیونکہ معلوم نہیں تھا یہ حضرت امیرؒ ہیں، اب جوں ہی تعارف آ گیا تو اب وہ عقیدت اور محبت ان کے کمالات واحسانات سامنے آ گئے، اب جو بات سنی اب زندگی کی کایا پلٹ گئی۔ یہ فرق کیوں ہوا؟ اس لئے کہ پہلے بات کرنے والے کا تعارف ہمارے سامنے نہیں تھا، اب تعارف آ گیا، اب عظمت آ گئی، اب عقیدت آئی، اب عقیدت و محبت و عظمت کے ساتھ بات سنی۔

تو اسی طرح اگر آدمی نحو کو ملحوظ رکھ کر، صَرف کو ملحوظ رکھکر دوسری چیزوں کو ملحوظ رکھ کر اللہ کی کتاب کا مطالعہ کرے تو اس کو اسی اعتبار سے فائدہ ہوگا اور اگر اللہ کی تمام بے انتہاء، بے شمار عظمت وقدرت کو اپنے ذہن میں مستحضر رکھے کہ وہ اللہ جس نے اس ساری کائنات کو اپنے حکم سے پیدا کیا بغیر کسی مادہ کے، آسمان، زمین، کائنات کا ذرہ ذرہ، اتنا عظیم سمندر اور خود مجھے گندے ناپاک قطرے سے بنایا، اتنی خوبصورت شکل وصورت، آنکھیں، زبان، کان دیئے، دل ودماغ دیا، اعضاء وجوارح دیئے، یہ اب اللہ تعالیٰ کی عظمت کو ذہن میں رکھ کر دل ودماغ میں بٹھلا کر اب جو اللہ کی کتاب کو پڑھے اب کچھ اور ہی اس کا فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی عظمت نصیب فرمائے۔ (آمین)

''عبادت''

کمیت، کیفیت اور مقصد

حامداً و مصلیاً۔

آدمی اکثر و بیشتر جب کوئی کام کرتا ہے یا تو کسی کو خوش کرنے کے لئے یا کسی چیز کی لالچ میں، یا کسی چیز سے ڈر کر۔ ہم اللہ کے بندے ہیں اللہ کی بندگی کسی نہ کسی درجہ میں کر رہے ہیں لیکن ہماری بندگی کی ان تین صورتوں میں کون سی کیفیت ہے؟ آیا ہم اللہ کی محبت میں اللہ کی بندگی کر رہے ہیں، جنت اور جنت کی نعمتوں کی طلب اور اس کی امید پر کر رہے ہیں، یا جہنم کے ڈر سے کر رہے ہیں، یا تینوں چیزیں شامل ہیں؟ اور پھر اللہ کی محبت میں جتنی بندگی کرنی چاہئے تھی اور جس انداز سے کرنی چاہے تھی اتنی کر رہے ہیں یا نہیں اور حصول جنت کے لئے جس قدر عبادت کی ضرورت ہے اور جس انداز سے کرنی چاہے تھی کر رہے ہیں یا نہیں؟ اور جہنم کے ڈر سے اللہ کی نافرمانیوں سے جتنا بچنا چاہے تھا ہم بچ رہے ہیں یا نہیں؟ اس چیز پر آدمی بار بار، بار بار غور کرے۔ کوئی بھی عقلمند آدمی نہیں جو چند روزہ راحت کے لئے، چند روزہ آرام کے لئے، چند روزہ لذتوں کے لئے ہمیشہ یا بہت زیادہ مدت تک حاصل ہونے والے نفع کو چھوڑے۔

یہ دنیا چند روزہ ہے، اور چند روزہ بھی اس انداز سے کہ چند روزہ کی کوئی مقدار متعین نہیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آج کا دن ہماری زندگی کا آخری دن ہو، آج کی رات ہماری زندگی کی آخری رات ہو، یہ ہفتہ ہماری زندگی کا آخری ہفتہ ہو، یہ لمحہ ہماری زندگی کا آخری لمحہ ہو، یہ سال ہماری زندگی کا آخری سال ہو، بلکہ یہ گھنٹہ ہماری زندگی کا آخری گھنٹہ ہو اور یہ نماز ہماری زندگی کی آخری نماز ہو یعنی اس قدر یہ دنیا کا معاملہ نازک ہے کہ کچھ کہا نہیں جا سکتا......! کس وقت یہاں سے جانا ہے؟ اسقدر اس بے بھروسہ دنیا پر (جس کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا

ہے کہ کتنے دن اور رہنا ہے) چند روزہ نفع کیلئے ، چند روزہ لذتوں کیلئے ، چند روزہ راحتوں کیلئے ، آدمی اپنی ابدی راحت اور اپنے ابدی آرام وسکون ، ابدی نعمت، اللہ کی ابدی رضا، اللہ کی ابدی خوشنودی کو چھوڑ دے، یہ عقلمندی نہیں ہے۔

یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ ہر گناہ کی، ہر نافرمانی کی، یہ خاصیت ہے کہ یہ جہنم میں لے جاسکتی ہے، لیکن اس کے باوجود گناہ پر گناہ ، نافرمانی پر نافرمانی کرتے جارہے ہیں، بعض مرتبہ کوئی نیکی بظاہر چھوٹی ہوتی ہے لیکن اللہ کو وہی پسند آئی اسی کو دخولِ جنت کا باعث بنادیا اور بعض مرتبہ کوئی نافرمانی بظاہر ہم کو معمولی لگتی ہے لیکن وہی اللہ کے غصے اور ناراضگی کا سبب بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جو احکام ہیں ان کی بجا آوری کے اندر جنت ہے اللہ کی نافرمانی جہنم کا باعث ہے تو جب ہر نیکی کے اندر یہ خاصیت ہے کہ وہ اللہ کی رضا کا سبب بن سکتی ہے تو بندے کا کام یہ ہے کہ کسی بھی نیکی کو نہ چھوڑے۔ خصوصیت کے ساتھ ان نیکیوں کو جن کو اللہ کی رضا کے اندر خاص دخل ہے دخول جنت کے اندر انکا خاص اثر ہو اور جہنم سے بچنے کی ان کے اندر خاص خاصیت ہو ان نیکیوں کو کسی بھی حال میں نہ چھوڑے چاہے آدمی کو کچھ بھی کرنا پڑے، کتنا ہی اپنے اوپر بوجھ ڈالنا پڑے۔ لیکن ہمارا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

صبح کا اٹھنا، تہجد کے لئے اٹھنا، راتوں کو قرآن پڑھنے کے لئے اٹھنا، اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے کے لئے اٹھنا، اللہ تعالیٰ سے آہ وزاری کرنے کے لئے اٹھنا ایک ایسا عمل ہے، ایک ایسی نیکی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے اندر خاص دخل ہے، اور اللہ تعالی نے بار بار اپنے ایسے بندوں کی تعریف فرمائی ہے، اپنے ان بندوں کے لئے انعامات کے اعلانات کئے۔ دنیا میں کوئی معمولی حاکم کسی انعام کا اعلان کرے تو رات بھر نیند نہیں آئے گی کہ کہیں صبح آنکھ نہ لگے، نیند کا تقاضا ہو تو رات کو سوتو جائینگے لیکن ایک ایک کو کہہ کر رکھیں گے کہ صبح فلاں وقت جگانا، ایک گھنٹہ پہلے، ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تاکہ سب سے پہلے جاگ کر جگہ پکڑیں اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا وعدہ کوئی معمولی انعام نہیں

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (15) تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا

وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (16) فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (17)[السجدة: 15-17]

ترجمہ: بس ہماری آیتوں پر وہ ایمان لاتے ہیں کہ جب انھیں وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ اپنے بستروں سے اٹھ کر اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے میں سے کچھ خرچ بھی کرتے ہیں۔ پھر کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے عمل کے بدلہ میں ان کی آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالی اپنے مومن بندون کی صفت کیا بیان کرتے ہیں تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یعنی ان کے پہلو خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں۔کرتے کیا ہیں؟ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا اللہ کے سامنے کھڑے ہوکر اللہ کی بارگاہ میں اپنے ہاتھ پھیلا کر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوکر رات میں خوف اور طمع کی حالت میں اپنے رب کو پکارتے ہیں، نمازوں کے اندر، سجدوں کے اندر دعاؤں کے اندر وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ اور رات دن کے اوقات میں جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے چاہے علم عطا کیا ہو مال عطا کیا ہو یا کوئی اور نعمت عطا کی ہو اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اس پر ان کو انعام دیتے ہیں اور عظیم انعام......! فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ یعنی کسی کو بھی معلوم نہیں کہ اس کی آنکھوں کی کیا کیا ٹھنڈک ہم نے چھپائی ہے کیا کیا اس کے آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ ہے، یہ ٹھنڈک ان کو کیوں ملے گی؟ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ بدلہ اس کا جو وہ راتوں کو اٹھتے تھے کیونکہ اس سے پہلے راتوں کے اٹھنے کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ ہے۔

لیکن یہاں معاملہ کیا ہے؟ آنکھ کھل ہی جاتی ہے بس اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا ہے، نفس اٹھنے ہی نہیں دیتا، یہ ہے نفس کی غلامی......! سوتو گیا پانچ چھ گھنٹہ نفس کا حق ادا ہوگیا، لیکن اب نفس کے چکر میں آکر سو رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقابلے میں اپنے نفس کو راضی کر رہا ہے، یہ نفس کی غلامی ہے۔ نفس کی مخالفت کی عادت ڈالنی چاہئے یہ ہمارا دشمن ہے" أَعْدَىٰ عَدُوِّكَ

نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ "[1] تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارے پہلو کے درمیان بیٹھا ہوا نفس ہے۔ اس کے حقوق تو ادا کرے، کھانے کے اعتبار سے، پینے کے اعتبار سے، لیکن اس کی غلامی اختیار نہ کرے، مومن غلام اور بندہ تو اللہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جو چاہت، اللہ تعالیٰ کا جو منشا ہے اس کو پورا کرو۔

غرض یہ ہے کہ بندہ بار بار سوچے میری عبادت، میری بندگی، میرا گناہوں سے بچنا آیا اللہ کی محبت میں ہے، اللہ کی خشیت میں ہے ، جنت کی طلب میں ہے، یا جہنم سے بچنے کے لئے ہے؟ سب کی اجازت تو ہے البتہ اللہ کی رضا کے لئے اللہ کی محبت میں کرلے تو یہ بہت اونچا درجہ ہے نہ جنت سے غرض نہ جہنم سے غرض......! اللہ کے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر ان کو یہ بھی کہا جائے اللہ کی بندگی کرو گے اللہ تو خوش ہونگے لیکن جہنم میں ڈال دیں گے (اگر چہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرینگے) تو وہ کہیں گے ہم تو جب بھی اللہ کی بندگی کریں گے، ان کے لئے اللہ کے بندگی کی بغیر جینا ہی ناممکن ہے، بغیر نماز کے وہ جی ہی نہیں سکتے۔ اللہ کی محبت میں اللہ کی بندگی کرنے والوں کا تو عجیب حال ہے، ایک بزرگ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب ان کا آخری وقت ہو گیا تو آخری لمحہ اللہ کے حکم سے جنت کے آٹھوں دروازے ان پر منکشف ہو گئے، لکھا ہے کہ اس نے آنکھیں بند کر دیں اور چہرا پھیر لیا اور یہ فرمایا جس کو انہوں نے خود یا کسی اور نے اپنے الفاظ میں پیش کیا۔

إنْ كان مَنزِلَتي في الحبّ عندكُمُ ما قد رأيتُ فقد ضيّعْتُ أيّامي [2]

یا اللہ جو مجھے آپ سے محبت ہے اور جو آپ کی بندگی سے آپ کو چاہا ہے اگر اس کا بدلہ وہی ہے جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں (اور دیکھ رہے تھے آٹھوں جنت کے دروازے کھلے ہوئے) تو میں نے پھر اپنی زندگی ضائع کردی۔ لکھا ہے فوراً وہ آٹھوں جنت کے دروازے بند ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی تجلی منکشف ہو گئی اور اسی حال میں ان کی روح نے پرواز کی۔

---

[1] رواہ البیہقی فی "الزھد الکبیر" فَصْلٌ: فِي تَرْكِ الدُّنْيَا وَمُخَالَفَةِ النَّفْسِ...(2/29) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَعْدَى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ".

[2] ۔ (ابن الفارض)

اور ہمارا حال کیا ہے؟ ہماری ذرہ سی نگاہ کہیں پڑ گئی تو سب کچھ بھول گئے، اللہ کے ساتھ نسبت بھول گئے، اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے اس کا یقین بھول گئے، ذرہ پیسے کی لالچ، سب بھول گئے، ذرہ عہدے کی لالچ سب بھول گئے، ذرہ سی نفس کی چاہت کے خلاف ہو گیا سب بھول گئے اور وہاں جنت کے آٹھوں دروازے کھلے ہوئے ہیں آنکھیں بند کر دی اور کہا :

إنْ كان مَنزِلَتي في الحبّ عندكُمْ ما قدرأيتُ فقد ضيّعتُ أيّامي

تو اللہ کی بندگی، اللہ کے خوف سے، جنت کی طلب میں، جہنم سے بچنے کے لئے ہر مقصد اپنی جگہ اچھا مقصد ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اگر میں اللہ کی محبت میں اللہ کی بندگی کر رہا ہوں تو کیا اتنی ہی بندگی کافی ہے اس محبت کا تقاضا بس اتنی ہی بندگی ہے؟ پانچ وقت کی نماز؟ اگر میں اللہ کے ڈر سے بچ رہا ہوں حرام کھانے سے لیکن مشتبہ کھانا کھا رہا ہوں، بدنگاہی کر رہا ہوں، غیبت کر رہا ہوں، کسی بھی چیز کا غلط استعمال کر رہا ہوں۔

مجھے جنت اور جنت کی ابدی نعمتوں کی طلب ہے، لیکن اس کی طلب کے لئے جس انداز سے مجھے اللہ کی بندگی کرنی چاہے تھی، جس مقدار میں کرنی چاہے تھی، اللہ تو دونوں چیزوں کو دیکھے گا، کمیت کو بھی دیکھے گا اور کیفیت کو بھی، کہ میری بندگی ہے کتنی اور میری بندگی ہے کیسی؟ بندگی بہت زیادہ ہو لیکن جیسی ہونی چاہے ایسی ہے ئ؟ یا مقدار ہی کے اندر کمی تو نہیں؟ مقدار کو بھی بڑھاتا رہے اور کیفیات کو بھی بڑھاتا رہے۔ جہنم جیسی خطرناک جگہ اس سے بچنے کے لئے جس انداز میں چھوٹے چھوٹے گناہ سے بچنا چاہیئے بچ رہا ہوں یا نہیں؟ بار بار آدمی اپنا محاسبہ کرتا رہے، **حاسبوا قبل ان تحاسبوا**[1] (اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے) اللہ تعالیٰ ہمیں بار بار اس کا استحضار عطا فرمائیں۔ (آمین)

---

[1]. قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: " حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا، وَزِنُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُوزَنُوا؛ فَإِنَّهُ أَهْوَنُ عَلَيْكُمْ فِي الْحِسَابِ غَدًا أَنْ تُحَاسِبُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ، وَتَزَيَّنُوا لِلْعَرْضِ الْأَكْبَرِ {يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ} [الحاقة: 18] " محاسبة النفس لابن أبي الدنيا؛ 22.

اشرف الاعضاء کا کام

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ۔ اَمَّا بَعۡدُ:

اللہ تعالیٰ نے ہر ایک عضو کے متعلق کوئی نہ کوئی کام رکھا ہے زبان کے متعلق بولنا، ہاتھ سے متعلق پکڑنا، پیر سے متعلق چلنا دماغ سے متعلق سوچنا وغیرہ ان میں سے ہر ایک عضو اپنے اپنے کام میں لگا ہوا ہے، ذرا سا کوئی عضو اپنا کام کرنے میں کہیں کمی کرے، تو یہ آدمی بے چین ہو جاتا ہے بے قرار ہو جاتا ہے کہ کیا ہوا؟ آنکھ کے دیکھنے کے اندر کمی کیسے آئی؟ کان کے سننے میں کمی کیوں آئی؟ زبان کے بولنے میں کمی کیوں آئی؟ ہاتھ، پیر کی حرکت میں کمی کیسے ہوئی؟ وہ خود بھی، اور ان کے والدین بھی، ان کے رشتہ دار بھی اور ہے بھی بے چینی کی بات۔ لہٰذا فوراً یہ صاحب عضو اور اسکے متعلقین بھی اس فکر اور کوشش میں لگتے ہیں کہ کسی طرح پھر سے یہ عضو اپنا کام کرنے لگے، لیکن ایک انسان کے اعضا مین جو سب سے اشرف عضو ہے یعنی ''دل'' اس کا کیا کام ہے اول تو یہی پتہ نہیں، جب یہی پتہ نہیں کہ اس دل بیچارے کا کیا کام ہے اور یہ اپنے کام میں لگا ہوا ہے کہ نہیں تو اس کا کیسے علاج کریں؟ حالانکہ آنکھ اپنا کام کرنا چھوڑ دے تو اس پر کوئی وعید نہیں، بلکہ بعض روایات میں بشارت ہے کہ جس بندے کے دو پیاری چیزیں یعنی آنکھیں میں لے لوں اس کا بدلہ میرے پاس جنت کے سوا کچھ نہیں[1]، اللہ عافیت دے سب کو، ہماری نگاہوں کی بھی ظاہری باطنی

---

[1] سنن ترمذی --- کتاب الزهد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم --- باب ما جاء في ذهاب البصر

حدثنا عبد الله بن معاوية الجمحي، حدثنا عبد العزيز بن مسلم، حدثنا ابو ظلال، عن انس بن مالك، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله يقول: "إِذَا أَخَذْتُ كَرِيمَتَيْ عَبْدِي فِي الدُّنْيَا لَمْ يَكُنْ لَهُ جَزَاءٌ عِنْدِي إِلَّا الْجَنَّةَ "

حفاظت کرے، اگر خدانخواستہ آنکھوں کی روشنی سلب ہوگئی تو حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جس کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا اور پھر اس نے صبر کیا تو اس کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں، لیکن خدانخواستہ دل اپنا کام کرنا چھوڑ دے اسکے لئے بشارت نہیں اسکے لئے وعید ہے۔ پیغمبر علیہ السلام سے فرمایا گیا ''وَلَا تُطِعْ ''(اس شخص کا کہنا نہ مان) اسکی بات بالکل نہ مانئے، اس کا کہنا ہرگز نہ مانئے...... کس کا؟ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا [الکھف : 28] (جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے) اسے ہم یاد ہی نہیں آتے اور منع کیا گیا ایسا بننے سے ''وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ ''(اور ان کی طرح نہ ہوں) نَسُوا اللَّهَ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا، تو سزا کیا ملی؟ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ [الحشر : 19] (اللہ نے بھی ان کو (ایسا کر دیا) کہ وہ اپنے آپ ہی کو بھول گئے) یعنی اللہ نے انکو اپنی جانوں سے بے خبر کر دیا، اب ان کو اپنے نفع اور نقصان کا احساس ہی نہ رہا۔ بلکہ الٹا معاملہ ہو گیا نفع کو نقصان اور نقصان کو نفع سمجھنے لگے۔

تو سارے اعضاء میں سب سے اشرف عضو دل، اس کا کام کیا ہے؟

اول اسکی خبر ہی نہیں، اب جن کو کچھ خبر ہے وہاں بھی دل بیچارا کام میں لگا ہوا ہی نہیں، کیونکہ کام جب ہی کرے گا جب اس کو اپنے کام میں لگا تا رہے۔ ہاتھ کو آپ ایک جگہ رکھئے کوئی حرکت اس سے نہ کیجئے، کوئی کام اس سے نہ لیجئے، اللہ نہ کرے آہستہ آہستہ یہ ہاتھ کام کرنا چھوڑ دیگا، بے حس بن جائیگا۔ پیروں سے کام کرنا چھوڑ دیجئے، ایک جگہ بیٹھے رہئے، اللہ رحم کرے کچھ دن کے بعد چلنا چاہے گا چل نہ سکے گا وغیرہ وغیرہ۔ یہی حال دل کا ہے، جب اس سے کام لینا چھوڑ دیا، اب بیچارہ بے حس ہو گیا، اب کام کرتا ہی نہیں، لینا بھی چاہے اب کیا لے گا بیچارہ مردہ ہو گیا اور اگر کام نہیں کر رہا ہے جیسے ہاتھ کام نہیں کر رہا ہے لیکن زبردستی بتکلف اسے تھوڑی تھوڑی حرکت کروائے تو آہستہ آہستہ پھر ہاتھ میں، بازو میں حس آئیگی اور آہستہ آہستہ آئندہ اُمید ہے کہ ہاتھ کام کرنے لگے گا۔ اسی طرح دل ہے، اگر یہ بیچارہ اپنے کام سے غافل ہے، اب اس سے کام لینا شروع کرو، بتکلف مانے یا مانے، اس طرح زبان سے اس دل کا کام لینا شروع کرو اور دل کا کام اللہ کی یاد ہے، اگر یہ دل میں جم نہیں رہی کیوں کہ سالہا سال سے بے حس پڑا ہے، اس کی حس ہی ختم ہوگئی

ہے۔ادر دل کی ترجمان زبان ہے اب اس سے کام لینا شروع کرو جب کام لینا شروع کروگے اور اللہ کا نام لینا شروع کروگے اور روز لیتے رہوگے، اب زبان جو دل کی ترجمان ہے اس کا کچھ نہ کچھ اثر ہونا شروع ہوگا، پہلے ہی نہیں، کہ آج ہی نام لیا بس آج ہی سارا معاملہ حل ہوجائے، بلکہ لگے رہے دل کی ترجمان جو زبان ہے اس سے بس اللہ کا نام لینا شروع کر دیجئے۔اور کوشش کر لیجئے کہ اس کا کچھ نہ کچھ اثر دل پر آجاوے اور دل کو پتہ چلنے لگے کہ اللہ کا نام لیا جارہا ہے ایسا نہ ہو کہ کلمہ طیبہ پڑھیں، نماز پڑھیں، تلاوت کی، لیکن دل کو پتہ ہی نہیں چلا کہ کیا ہورہا ہے۔شروع شروع میں دل کو(کہ بہت دنوں سے سویا ہوا ہے) جاگتے جاگتے کچھ عرصہ لگ جائے گا، لیکن آپ جگانا شروع کر دیجئے کسی بچے، کو کسی بڑے کو، جو سویا ہو آپ اس کو جگائیں گے ''ارے فلاں'' تو جس کی نیند بالکل ہی ہلکی ہو کہ ایک آواز میں جاگ جائے، ورنہ بار بار آواز دیتے رہیں گے، ہلاتے رہیں، تو جاگے گا۔کوئی جلدی میں، کوئی دیر میں، لیکن بہر حال جاگے گا۔یہی حال دل کا ہے، آپ زبان سے بولنا شروع کر دیجئے اللہ کا نام اور روز لیتے رہئے جیسے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کریم علیہ السلام سے فرمایا راتوں کو اُٹھ کر اللہ کا نام لیجئے کیونکہ دن میں تو مصروفیات بہت ہیں پیغمبر علیہ السلام کو کہا جارہا ہے کہ راتوں کو اٹھئے اللہ کا نام لیجئے قرآن پڑھئے، کیوں إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا [المزمل : 7] (بیشک دن میں آپ کے لیے بڑا کام ہے) دن کے اندر بہت مصروفیات ہیں اور ہمارا معاملہ الٹا ہے ہمارے لئے عذر ہے کہاں سے اُٹھیں دن میں بہت کام ہے کہاں اُٹھا جاتا ہے اور یہاں پیغمبر علیہ السلام کو کہا جارہا ہے کہ دن میں بہت مصروفیات ہوتی ہیں حالانکہ پیغمبر علیہ السلام کا ہر وقت کام ہی یہی ہے پھر بھی فرمایا گیا، ایسا وقت ہو جہاں بلا واسطہ ہو کسی چیز کا کوئی عمل دخل نہ ہو، اللہ نے وقت متعین کیا کہ رات میں، پھر رات کا حصہ مقرر کیا کہ چاہے تو آدھی رات، چاہے تو اس سے کچھ کم ہو اور چاہئے تو اس سے کچھ زیادہ ہو، پھر کام بھی متعین کیا کہ ''وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ''[المزمل : 4] (اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو) ترتیل کے ساتھ قرآن کو پڑھو اور دوسرا کام کیا بتایا؟ ''وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ '' (اور اپنے رب کا نام لیا کرو) یعنی اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے، اپنے رب کا نام لیتے رہئے۔لیکن ایسے نہیں بلکہ دل کو بھی پتہ چلے اور دل کو ایسا پتہ چلے کہ کسی اور چیز کا پتہ ہی نہ رہے ''وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ '' اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے اور کیسے؟ دل کو تو پتہ چلے اور کسی کو پتہ نہ

چلے وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ""**تبتل**" ہرطرف سے کٹ کر، ہرطرف سے بے خبر ہوکر بس اللہ ہی کے ہوکر رہیئے۔ مومن بندے کا کام یہ ہے کہ جب دل کی ترجمان زبان ایک مرتبہ اللہ کہے تو دل کو پتہ چلے کہ کس کا نام لیا جارہا ہے، اسی لئے اکابرین واسلاف، بزرگانِ دین، اولیاء اُمت (جواپنے آپ کو ان کے حوالے کرتے ہیں تا کہ یہ دل جاگے تا کہ یہ دل اپنا کام کرنا شروع کردے) ایک مقدار متعین کرتے ہیں کہ کم سے کم، کم سے کم روزانہ کسی وقت تنہائی میں بیٹھ کر وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا کی عملی مشق کرنے کیلئے الگ تھلگ ہر ایک سے یک سو ہوکر، ہر ایک سے کٹ کر، سارے کنکشنوں کو تھوڑی دیر کیلئے کاٹ کر کم ازکم اتنی مقدار میں اللہ تعالیٰ کا نام لیں۔ اور کوشش کریں کہ اسطرح نام لیں کہ ہر بار دل کو پتہ چلے کہ کس کا نام لیا جارہا ہے، جب ایسا لگاتار کرتے رہیں گے اب دل عادی ہوگیا اپنے کام پر، اس نے اپنا کام شروع کردیا، اب بیچاری ترجمان خاموش بیٹھی ہے، ترجمان کسی اور کام میں لگی ہوئی کہ اسکو بہت سارے کام ہیں، لیکن اب ترجمان کی ضرورت بھی نہیں، اب بغیر ترجمان کے کام چل رہا ہے، اس لئے اسلاف واکابرین فرماتے ہیں کہ کوئی وقت نکال کر کچھ دیر کیلئے اس ترجمان کو بھی خاموش کر کے دل کو تنہا اپنے کام میں لگا رہنے دیا کرو:

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے ترجماں زباں
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے [1]

{اللہ تعالیٰ اپنی معرفت نصیب فرمائے۔ (آمین)}

---

[1] اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے۔ (علامہ اقبال۔ بانگ درا)

صف اول کی فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ:

عام طور پر جب دنیا کی کسی غیر معمولی نعمت کی طرف بلایا جاتا ہے تو ہر آدمی آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اس نعمت کو حاصل کرے حالانکہ یہ بات طے ہے کہ اس کی قسمت میں جو کچھ ہو آگے بڑھنے کے بعد بھی اتنا ہی ملے گا لیکن پھر بھی آدمی آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اس کے برخلاف اللہ کی نعمت تقسیم ہو رہی ہو اور وہاں آگے بڑھنے کو جی نہیں کرتا حالانکہ سبقت یہاں کرنی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ جس چیز کی طرف بلا رہے ہیں وہ بہت ہی بڑی نیکی اور نعمت ہے، پیغمبر علیہ السلام نے ایک عظیم نیکی کی طرف بلایا ہے اور وہ ہے اگلے صف میں نماز کا ادا کرنا فرمایا:

لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ [1]

مطلب یہ ہے کہ میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے دانشمندی اور سمجھداری عطا کی، اسکے بعد وہ جوان کے قریب ہوں اس کے بعد وہ جوان کے قریب ہوں اور سب سے زیادہ دانشمند اہل علم ہی ہو سکتے ہیں، لہٰذا پیغمبر علیہ السلام نے اہل علم کو یہ اعزاز عطا

---

[1] صحیح مسلم | كِتَابٌ: الصَّلَاةُ | بَابٌ: تَسْوِيَةُ الصُّفُوفِ وَإِقَامَتُهَا وَفَضْلُ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ مِنْهَا: عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلَاةِ، وَيَقُولُ: " اسْتَوُوا، وَلَا تَخْتَلِفُوا، فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ". قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ: فَأَنْتُمُ الْيَوْمَ أَشَدُّ اخْتِلَافًا.

فرمایا کہ آپ کی جگہ میرے قریب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سب سے پہلے نماز پڑھانے والے، یعنی امام کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اس کے بعد اُس کی طرف جو اس کے قریب ہو اسکے بعد اس کی طرف جو اس کے قریب ہو......ایک جگہ تو صاف ارشاد فرمایا گیا ہے :إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ[1] یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ پہلی صف والوں پر رحمت بھیجتے ہیں، **صحابہ** رضی اللہ عنہ **نے عرض کیا** :وعلى الثاني (اور دوسری صف والوں پر بھی) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا:إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ (یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ پہلی صف والوں پر رحمت بھیجتے ہیں)**صحابہ نے پھر عرض کیا**:وعلى الثاني (اور دوسری صف والوں پر بھی) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر وہی ارشاد فرمایا: إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ **صحابہ نے پھر عرض کیا**: وعلى الثاني تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھی مرتبہ فرمایا: وعلى الثاني (اور دوسری صف والوں پر بھی)۔

ایک اور جگہ یہاں تک ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کا کیا اجر وثواب ہے اور اس پر کیا ملنے والا ہے تو لوگوں میں اس کے لئے ایسی مسابقت اور کشمکش ہو جائے گی کہ قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنا پڑے گا[2]۔

جب پیغمبر علیہ السلام نے اس طرح پہلی صف کی فضیلت بیان کی تو ہمیں پہلی صف میں آگے بڑھنے کا جذبہ کیوں نہیں پیدا ہوتا ہے؟ اس میں کون سی رکاوٹ ہے؟ سستی اور غفلت!

---

[1]. مسند أحمد | مُسْنَدُ الْأَنْصَارِ | حَدِيثُ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | الجزء رقم :36، الصفحة رقم: 597| رقم الحديث : 22263 ۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ ". قَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَعَلَى الثَّانِي ؟ قَالَ : " إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ ". قَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَعَلَى الثَّانِي ؟ قَالَ : " إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ ". قَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَعَلَى الثَّانِي ؟ قَالَ : " وَعَلَى الثَّانِي "

[2] صحيح مسلم | كِتَابٌ : الصَّلَاةُ | بَابٌ : تَسْوِيَةُ الصُّفُوفِ وَإِقَامَتُهَا وَفَضْلُ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ مِنْهَا :
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : " لَوْ تَعْلَمُونَ - أَوْ : يَعْلَمُونَ - مَا فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ لَكَانَتْ قُرْعَةً ".
سنن ابن ماجه | كِتَابٌ : إِقَامَةُ الصَّلَاةِ وَالسُّنَّةُ فِيهَا . | بَابٌ : فَضْلُ الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ.

غرض دُنیوی کوئی حاکم اگر آگے بڑھنے کو کہے کہ آگے آگے بڑھوتو سب آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہاں ''بعداز خدابزرگ توئی قصہ مختصر'' کی مصداق ذات آگے بڑھنے کے لئے فرمارہی ہیں اور خاص کر دانشمندوں اور سمجھداروں (اہل علم) کو یہ اعزاز عطا فرماتے ہیں، ذی شعور حضرات کو، عقل والوں کو کہ ''لِيَلِنِي مِنكُمْ أُولُوا الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى'' آگے بڑھو، میرے قریب آؤ، آپ کی جگہ میرے قریب ہے لیکن پھر بھی کوئی پرواہ نہیں۔

بظاہر پہلی صف اور دوسری صف میں ہمارے نزدیک فاصلہ بہت ہی کم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں فاصلہ بہت ہے، لہٰذا اللہ کی رحمت کے طالب کو چاہئے کہ پہلی صف میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کا ذریعہ یہی ہوسکتا ہے کہ مسجد میں اول وقت پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

*****

پیشِ نظر تو مرضیٔ جانانہ چاہئے
سارا جہاں خلاف ہو پروانہ چاہئے
پھر اس نظر سے جانچ کر تو کر یہ فیصلہ
کیا کیا تو کرنا چاہئے کیا کیا نہ چاہئے

دیکھ تو کیسے جیا

[مومن بنکر یا مجرم بنکر؟]

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم۔ اَمَّا بَعْد:

دنیا میں جو لوگ آتے رہے وہ اپنے وقت پر اس دنیا سے جاتے بھی رہے اور آئندہ بھی جو اس دنیا میں آئیں گے سب کو اپنے اپنے وقت پر جانا ہے۔ لیکن جانے والے دو طرح کے ہیں ایک جماعت جو جانے والوں میں سے ہے انکو جب لے جایا جاتا ہے تو بطور مجرم کے لے جایا جاتا ہے، دوسری جماعت جب ان کو لے جایا جاتا ہے تو بحیثیت مہمان ان کو بلایا جاتا ہے۔ کسی کو بطور مجرم کے لایا جائے گا اور کس کو بطور معزز مہمان کے بلایا جائے گا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کا مخلص، مومن، صالح بن کر جیا اس کو بطور معزز مہمان کے لے جایا جائے گا۔ قرآن میں ارشاد فرمایا کہ اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا [طہ : 74] (بیشک جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا) یعنی مجرم، نفس پرست بن کر جیا تھا، جو اس کے جی میں آتا تھا کرتا تھا اسے کوئی پرواہ نہیں کہ اللہ راضی ہوتا تھا کہ ناراض۔ اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں جو کھا رہا ہوں حلال ہے یا حرام میں جو دیکھ رہا ہوں حلال ہے یا حرام، میں جو سن رہا ہوں حلال ہے یا حرام، میں جو بول رہا ہوں حلال ہے یا حرام، میں جو سوچ رہا ہوں حلال ہے یا حرام، میں جدھر جا رہا ہوں حلال ہے یا حرام، میں جو کچھ حرکت کر رہا ہوں حلال ہے یا حرام۔

ماں باپ کو دیکھنا عبادت، کعبۃ اللہ کو دیکھنا عبادت، عبرت کی نظر سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے آسمان کو دیکھنا، زمین کو دیکھنا، پہاڑوں کو دیکھنا، سمندروں کو دیکھنا عبادت اور...... کسی غیر محرم کو دیکھنا جرم۔

قرآن کی تلاوت کرنا، پیغمبر علیہ السلام کی نعت سننا، اللہ تعالیٰ کی تعریف سننا حلال، اور گانا سننا، غیر محرموں کی آوازیں سننا حرام۔

قرآن کی تلاوت کرنا، کسی مومن بندے کا جی خوش کرنا، دین کا مذاکرہ کرنا، حلال طیب حاصل کرنے کی کوشش کرنا......حلال۔ غیبت کرنا جھوٹ بولنا، بہتان تراشی کرنا ......حرام۔

مسجد کے لئے جانا، حلال طیب حاصل کرنے کے لئے جانا، والدین کی زیارت کے لئے جانا، کسی مسلمان کی ملاقات کے لئے جانا حلال اور کسی غلط جذبے سے جانا حرام۔

اسے کوئی پرواہ ہی نہیں کہ میں جو کر رہا ہوں بول رہا ہوں، سن رہا ہوں، کھا رہا ہوں، پی رہا ہو، چل رہا ہوں، کیسا ہے......؟ حلال وحرام کے بارے میں کوئی پرواہ نہیں بس جو جی میں آیا کیا......غرض حلال وحرام صرف کھانے پینے میں نہیں بلکہ ہر چیز میں ہے۔

لہٰذا جو مجرم بن کر زندگی گذارے تو موت کے وقت اس کو بطور مجرم کے لے جایا جائے گا **کما تحیون تموتون**[1] جس طرح زندگی گزاروگے اسی طرح موت آئے گی، یہ جو مجرم بن کر زندگی گزاری آنکھوں کا جرم، کانوں کا جرم، زبان کا جرم، کھانے پینے کا جرم، چلنے کا جرم، نقل و حرکت کا جرم، سوچ کا جرم، ساری زندگی جرموں میں گذری اسی حال میں موت آئیگی۔ اور جس حال میں موت آئے گی اسی حال میں پیش کئے جاو گے۔ مجرم بن کر جیا...... مجرم بن کر مرا...... إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا (بیشک جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا) فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ (سو اس کے لیے جہنم ہے) اور یہی مجرموں کا ٹھکانا ہے.

اس کے برعکس جو اللہ کا مومن بندہ صالح بندہ رب چاہی زندگی گزار کر جیا، ہر مرحلہ پر اس کو فکر رہتی تھی۔ کھانے کا معاملہ آ گیا پہلے سوچتا تھا حلال ہے یا حرام، کمانے کا معاملہ آ گیا حلال ہے یا حرام، دیکھنے کا مرحلہ آ گیا حلال ہے یا حرام، بولنے کا مرحلہ آ گیا حلال ہے یا حرام، سوچنے کا مرحلہ آ گیا حلال ہے یا حرام، غرض جب بھی کوئی معاملہ اس کے سامنے آیا اس کی سب سے پہلی نظر اور اس کا سب سے پہلے دھیان جو گیا تو اس طرح گیا کہ کہیں یہ حرام تو نہیں، کہیں اس سے میرا رب

---

[1]. كما تعيشون تموتون وكما تموتون تحشرون، وكل إناء يترشح بما فيه.(روح البيان)

ناراض تو نہیں ہوگا، جب معلوم ہوا کہ اس سے میرا رب ناراض ہوگا، اب چاہے بظاہر دنیا کے اعتبار سے کتنے بھی فائدے کی چیز ہو وہ اسے ہاتھ نہیں لگاتا، وہ اس کی طرف لپکتا نہیں، قدم قدم پر، اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب بنا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرنے والا بنا۔ جب اس حال میں زندگی گزاری اب جب اللہ کی پاک بارگاہ میں اس کے بلاوے کا وقت آ گیا تو اسے جانے سے پہلے تسلی دی جاتی ہے بھائی ڈرو گھبراؤ مت إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا [فصلت:30] (بیشک جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے) زبان سے رَبُّنَا اللَّهُ کہہ کر عمل سے ہر ہر لمحہ پر اس کا ثبوت دیا "تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ" (ان پر فرشتے اتریں گے) یعنی جانے کے وقت اس کے پاس فرشتے آتے ہیں اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا (کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو) تمہیں خوف زدہ اور غمگین ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، تم کو مجرم بنا کر نہیں بلایا جارہا ہے بلکہ تم کو اللہ تعالیٰ کا مہمان بنا کر بلایا جارہا ہے۔ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ [فصلت : 31] (اور بہشت میں تمہارے لیے ہر چیز موجود ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تم جو وہاں مانگو گے ملے گا)۔ یہ سب کیا ہوگا؟ نُزُلًا میزبانی ہوگی، اور تم بطور مہمان کے بلائے جاؤ گے، میزبان ہوگا کون......!؟ تمہارے مہمان نوازی کس کی طرف سے ہوگی......؟! نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ [فصلت : 32] بڑے ہی معاف کرنے والے کی طرف سے ہوگی اور بڑے رحم فرمانے والے کی طرف سے ہوگی۔

وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ [طٰہٰ75] (اور جو اس کے پاس مومن ہو کر آئے گا حالانکہ اس نے اچھے کام بھی کیے ہوں) فَأُولَئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ (تو ان کے لیے بلند مرتبے ہوں گے) اس کے لئے بڑے درجات ہیں۔ بندہ سوچے میری جو یہ زندگی گذر رہی ہے خدانخواستہ مجرامانہ زندگی تو نہیں اپنی آنکھ زبان، دل اعضاء و جوارح کا محاسبہ کرتا رہے۔ دیکھو...... اپنے آپ کو بنانے میں وقت لگتا ہے، ڈوبانے میں وقت نہیں لگتا، ایک طالب علم دن بھر قرآن پڑھتا رہتا ہے۔ اللہ کے کلام پر آنکھ لگی ہوئی، زبان قرآن کی تلاوت سے تر و تازہ، دل کے اندر قرآن، دماغ کے اندر قرآن موجزن، ہر وقت اسی میں...... لیکن ذرا سا دور گیا

اور کچھ غلط چیز دیکھی اور سارا پانچ منٹ میں ملیا میٹ ہو جاتا ہے، نماز پڑھتے گیا خدا کا بندہ پانچ وقت نماز میں ایک ڈیڑ گھنٹہ نماز میں لگ گیا دس منٹ کوئی بے حیائی کا منظر دیکھا اس نماز کی نورانیت ساری کی ساری گئی، بندہ بعض دفعہ سمجھتا نہیں آپنے آپ کو، چوری چھپے جہاں موقع آیا غلط دیکھا غلط بولا غلط سنا، بڑوں کا تو لحاظ رکھا، باپ نہ دیکھے، استاذ نہ دیکھے، ذمہ دار نہ دیکھے۔لیکن سب سے بڑا اور حقیقی بڑا جس کی بڑائی کا روز اقرار کرتا ہے **اللہ اکبر، اللہ اکبر** وہ تو ہر حال میں دیکھ رہا ہے اور منع کر رہا ہے کہ بندے کیا دیکھ رہا ہے، یہ تو تیرے دیکھنے کی چیز نہیں۔میں نے تو یہ آنکھیں اس لئے تو نہیں دی تھیں، میں نے کان اس لئے تو نہیں دئے تھے، میں نے یہ بدن اس لئے تو نہیں دیا تھا کہ......اللہ منع کر رہا ہے، دیکھ رہا ہے اللہ کے فرشتے ساتھ لگے ہیں کتنا بھی بندہ چوری چھپ جائے اور کوئی غلط کام کرے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگہبان فرشتے جو تیرے ہی لئے مقرر ہیں ان کا اور کوئی کام نہیں، یا تمہاری نیکیاں لکھنا یا تمہاری برائیاں لکھنا ہے۔یہ جو درو دیواریں ہیں یہ تیرے لئے گواہ بن رہے ہیں ۔ یہ اللہ کے سامنے گواہی دیں گے۔اعضاء و جوارح، تیرے بدن کی کھال، تیرے جرم پر گواہ بن گئے ہیں تیری بدنگاہی پر، ان آنکھوں کی خیانت پر، یہ کانوں کے سننے پر، اور گندی چیزوں پر اور گندے کاموں پر یہ ساری چیزیں......گواہ بن گئی ہیں۔کل اللہ کے سامنے سب کچھ بیان ہوگا اس لئے مومن بندہ ہمیشہ اس فکر میں رہے کہ جب بھی اللہ کی طرف سے مجھے بلایا جائے تو مجھے بطور مجرم کے نہ بلایا جائے بلکہ بطور مہمان مجھے بلایا جائے۔

(اللہ تعالیٰ مجھے بھی نصیب فرمائے اور آپ سب کو بھی نصیب فرمایا) (آمین)

یہ دنیا......امتحان گاہ ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ:

اس دنیا کو اللہ پاک نے نہ تو تفریح گاہ بنایا، نہ کھانے اور کمانے کی جگہ بنایا، نہ اس کو عزت اور شہرت حاصل کرنے کی جگہ بنایا، بلکہ اس دنیا کو اللہ پاک نے امتحان کی جگہ بنایا۔

ہاں اللہ پاک نے اجازت دے رکھی ہے کہ تم اس دنیا کے اندر کما بھی سکتے ہو، کھا بھی سکتے ہو، مکان بنا سکتے ہو، تجارت کر سکتے ہو، زراعت کر سکتے ہو، ملازمت کر سکتے ہو۔ ان چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دے رکھی ہے، لیکن اجازت دی ہے محدود انداز میں، ان ان حدود کے اندر تمہیں یہ کام کرنے کی اجازت ہے، یہ نہیں کہ ان ہی چیزوں کے لئے تمہیں دنیا میں بھیجا گیا، اگر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ان ہی چیزوں کے لئے اسکو دنیا کے اندر بھیجا گیا ہے تو یہیں پر وہ ناکام ہے۔

ان چیزوں کے لئے بھیجا نہیں گیا، ہاں ان چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے ضمناً اجازت دے رکھی ہے۔ یہ یہ کام تم کر سکتے ہو لیکن ان ان کاموں کے کرنے کے لئے یہ یہ حدود متعین ہیں۔ حدود کے اندر رہ کر کرو گے تو اجازت ہے اور حدود سے بڑھ جاؤ گے تو ظالم قرار دیئے جاؤ گے۔

وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ [الطلاق: 1]

ترجمہ: اور جو اللہ کی حدوں سے بڑھا تو اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔

میں ایک مثال دیا کرتا ہوں: کسی باپ نے (جو تاجر تھا، دکاندار تھا) اپنے بیٹے کو دو لاکھ روپے دے کر جموں بھیجا، دلی بھیجا، کہ لو بیٹا یہ دو لاکھ روپے تم کو دئے جا رہے ہیں اس کے بدلہ تم وہاں سے سودا سلف لے کر آؤ۔ اب بیٹا عرض کرتا ہے ابا جان مجھے ایک ہفتہ وہاں پر رہنا

ہے،سب سے پہلے وہاں پہنچنے کا معاملہ ہے پہنچوں گا کیسے؟ مجھے جہاز میں جانا پڑے گا اس کے لئے تو مجھے آٹھ دس ہزار روپے کرایہ چاہئے ،وہ کہاں سے لاؤں؟ دو لاکھ تو دئے ہیں آپ نے وہ تو سودا لانے کے لئے ،تو ابا جان نے کہا بیٹا اسی دو لاکھ میں سے تم کرایہ کی رقم بھی نکالو۔

بیٹے نے کہا: ابا جان وہاں ایک ہفتہ رہنا پڑے گا،کوئی کمرہ کرایہ پر لینا پڑے گا اور کھانے پینے کا مسئلہ بھی ہے۔

ابا جان نے کہا: بیٹا اسی میں سے کرایہ کی رقم بھی نکالو اور اسی میں سے کھاؤ پیؤ بھی۔تو اصل رقم جو ابا جان نے دی وہ تو سودا لانے کے لئے ہے اور وہ جو کرایہ کی رقم نکالنے کی اجازت اور کھانے پینے کے واسطے رقم نکالنے کی اجازت ،وہ ضمناً دے دی گئی۔

اب جب بیٹا وہاں سے واپس آئے گا تو ابا جان دو لاکھ روپے کا حساب لیں گے بتاؤ کیا کیا لے کر آئے؟ اگر اس نے محدود طریقہ پر خرچ کیا ہے اور زیادہ سے زیادہ اس نے کوشش کی ہے کہ سودا سلف لے کر آئے ،تو والد اس سے خوش ہوگا،شاباشی ملے گی،انعام مل سکتا ہے۔**لیکن** اگر اس نے ساری رقم کھانے پینے اور عیاشی میں اُڑا دی تو سزا کا مستحق قرار پائے گا۔

خدائے برتر نے ہمیں دنیا میں بھیجا اور زندگی کا عظیم سرمایہ عطا فرمایا کہ جاؤ بندو! دنیا میں، اور بندگی لے کر آؤ،نمازیں لے کر آؤ،میرے پاک کلام کی تلاوت لے کر آؤ،میرے دین کی خدمت لے کر آؤ،میرے سامنے آہ وزاری لے کر آؤ،میرے خوف اور میری محبت میں آنسوں بہا کر آؤ۔زندگی اصل اللہ نے اسی اُخروی تجارت (عبادات) کے لئے دی،لیکن ضمناً اجازت دی کہ یہ یہ کام (کمانا،کھانا،پینا،مکان بنانا وغیرہ) تم کر سکتے ہو،لیکن حدود کے اندر۔

لہٰذا یہ دنیا جو ہے کھانے پینے اور سیر وتفریح کی جگہ نہیں بلکہ امتحان کی جگہ۔

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ [الملك:2] ترجمہ:جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائیں کہ تم میں کس کے کام اچھے ہیں اور وہ غالب بخشنے والا ہے۔

یعنی عمل کے اعتبار سے کون اچھا ہے۔نہ کہ مال کے اعتبار سے کون اچھا،دولت کے اعتبار

سے کون اچھا، شہرت کے اعتبار سے کون اچھا، صورت کے اعتبار سے کون اچھا، مکان کے اعتبار سے کون اچھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان چیزوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم[1] اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا۔ ہاں **ولٰکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم**۔ اللہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اللہ تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔

جب یہ دنیا امتحان گاہ ہے آنکھوں کا امتحان، زبان کا امتحان، کان کا امتحان، ہاتھ پیر کا امتحان، دل و دماغ کا امتحان، تجارت کا امتحان، مال کمانے کا امتحان، کھانے کا امتحان، مختلف شعبوں کے اندر قدم قدم پر لحہ لحہ پر بندۂ مومن امتحان کے دور سے گذرتا جارہا ہے، لہذا جو بندہ اس دنیا کو امتحان گاہ سمجھ کر ہی زندگی گزارتا ہے اور ہر ہر مرحلے پر کامیابی کی فکر میں لگا رہتا ہے ایسے لوگ بامراد اور خوش نصیب ہیں۔

لیجئے ایک اور مثال دیتا ہوں: دنیا کے اندر آدمی امتحان گاہ کے اندر آتا ہے: جب بچے امتحان ہال میں آتے ہیں تو اس وقت سارے کے سارے ایک جیسے، نہ کوئی پاس نہ کوئی فیل، یہاں ان کو سوال نامہ دیا گیا اور اس سوال نامہ کے جوابات لکھنے کے لئے ایک سادہ کاغذ دیا گیا اس پر کچھ لکھا ہوا ہوتا نہیں، کہ بھئی ان سوالوں کا جواب اس سادے کاغذ پر لکھ کر دے دو بس اتنے گھنٹے ہیں۔

اب جب بچے یہاں سے نکل گئے اور وہ سادہ کاغذ حوالہ کر لیا اب نکلتے وقت ساروں کی ایک حالت نہیں تھی۔ کسی نے تو ایسا پرچہ کیا کہ اس کو پوزیشن مل گئی، کسی نے ایسا پرچہ کیا کہ وہ بیچارہ کم سے کم پاس ہو گیا اور کوئی بیچارہ بس فیل ہو کر ہی نکلا، حالانکہ یہاں کا پاس ہونا یا یہاں کا فیل ہونا عارضی ہے۔

---

[1]. صحیح مسلم | كِتَابٌ : الْبِرُّ وَالصِّلَةُ وَالْآدَابُ | بَابٌ : تَحْرِيمُ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ :
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ ". سنن ابن ماجه | كِتَابُ الزُّهْدِ | بَابٌ : الْقَنَاعَةُ.

اسی طرح یہ دنیا جو امتحان گاہ ہے امتحان کی جگہ ہے جب ہم یہاں آئے، نہ کوئی پاس نہ کوئی فیل......! ہاں پاس ہونے کی استعداد لے کر آئے۔

کل مولود یولد علی الفطرہ[1]: ہر نومولود بچہ فطرت (قبول حق کی استعداد) لے کر آتا ہے۔لیکن **فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ** لیکن ماں باپ ، یہود خصلت، یا عیسائی خصلت یا مجوسی خصلت بنا دیتے ہیں۔

تو دنیا میں جب آئے تھے سب ایک جیسے لیکن نکلے جب تو سارے کے سارے ایک جیسے نہیں......! اب تک جتنے بندے آئے بے شمار بندے اور بندیاں آئیں، جب آئے تو ایک جیسے اور نکل گئے تو بہت سارے خوش نصیب بندے کامیاب ہو کر اور بہت سارے ناکام ہو کر، ہم جو اس وقت دنیا میں زندگی گزار رہے ہیں ہمارا بھی یہی معاملہ ہے، آئے تھے تو ایک جیسے نکلیں گے تو ایک جیسے نہیں۔ آئندہ قیامت تک جو کچھ لوگ آئیں گے جتنے آئیں گے (اللہ کے علم میں ہی ہیں) ایک جیسے آئیں گے لیکن جائیں گے ایک جیسے نہیں۔

اس لئے ہم سب اس دنیا کو ایک امتحان گاہ، ایک امتحان ہال سمجھ کر زندگی گزاریں اور بقیہ کاموں کو ضمناً کریں۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے اور آپ
سب کو بھی عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

---

[1] صحیح البخاری | كِتَابٌ : الْجَنَائِزُ | بَابُ مَا قِيلَ فِي أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ:
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَثَلِ الْبَهِيمَةِ تُنْتَجُ الْبَهِيمَةَ هَلْ تَرَى فِيهَا جَدْعَاءَ ".
صحیح مسلم | كِتَابٌ : الْقَدَرُ | بَابٌ : مَعْنَى كُلِّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ.

مَنْ جَدَّ وَجَدَ

(جو کوشش کرتا ہے وہ پاتا ہے)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ:

کنواں کھودنے والا جب کنواں کھودنا شروع کرتا ہے تو شروع شروع میں اسکو عام طور پر وہ مٹی وہ چیزیں اٹھانی پڑتی ہیں جو اوپر سے زمین پر ڈالی گئی جیسے کوڑا کرکٹ پتھر کنکر وغیرہ، انکو ہٹانے میں بعض مرتبہ دقت اٹھانی پڑتی ہے لیکن چونکہ اس کی نگاہ اُس پانی پر ہوتی ہے جو نیچے آنے والا ہوتا ہے، اس لئے وہ برداشت کرتا رہتا ہے تو جب کوڑا کرکٹ کا مسئلہ ختم ہوگیا اور زمین ظاہر ہوگی تو اب وہ کھودنا شروع کر دیتا ہے۔

اس کے بعد اسکو کئی طرح کی مٹی آئے گی، ایک طرح کی مٹی ایسی آئے گی جس میں پانی کا اور تراوٹ کا نام ونشان نہیں ہوگا پھر اور کھودے گا تو دوسرے رنگ کی مٹی نظر آئے گی، اور نیچے گیا تب بھی مٹی ہی ہوگی لیکن اس مٹی کے اندر کچھ تراوٹ ہوگی پانی کا کچھ خاص اثر نہیں ہوگا اس تراوٹ کو دیکھ کر یہ خوش ہوگا کہ میری جو منزل ہے وہ قریب ہوتی جارہی ہے۔ پھر اور نیچے جائیگا اب گیلی مٹی اس کو ملے گی، اور خوش ہوگا، اور نیچے جائیگا تو وہاں مٹی اور پانی ایک ساتھ ملے گی یعنی کیچڑ پھر چلتا گیا ایک مرحلہ ایسا آئیگا کہ اس کو صاف پانی ملے گا اب جب صاف پانی ملا اب وہ جتنا نیچے جائے گا اتنا صاف پانی ملے گا اور اتنا ہی کثرت کے ساتھ پانی ملے گا جتنا نیچے کھودتا جائے گا، زندگی اس کی گذر جائے گی لیکن وہ زمین کے تہہ تک نہیں پہنچ سکے گا، ہاں اتنا ہے کہ جتنا نیچے جائے گا اتنا پانی صاف وشفاف اور کثرت سے ملے گا لیکن اس نیچے کی کوئی حد نہیں کہاں تک جائیگا؟ اپنی طاقت کے مطابق جتنا جاسکے گا جائیگا۔

اس مثال کو ذہن میں رکھنے کے بعد کہ جیسے اسکا تعلق بہت محنتوں کے بعد پانی کے ساتھ

ہوگیا، اب نیچے جو وہ پانی اس کو مل گیا وہ ختم ہونے والا پانی نہیں، جتنا صاف شفاف پانی نکالتا جائے تو وہاں سے ملتا جائے گا اس میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور موقعہ محل کے اعتبار سے ملے گا، گرمی کا زمانہ ہے تو ٹھنڈا پانی ملے گا اور سردی کا زمانہ ہے تو کچھ گرم پانی ملے گا اس کے برعکس اُوپر آدمی جو حوض بناتا ہے اول تو اس کا پانی محدود ہوتا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ وہ حالات سے فوراً متاثر ہوتا ہے گرمی آگئی تو پانی گرم ہوگیا سردی آگئی پانی ٹھنڈا ہوگیا زیادہ سردیاں ہوئیں تو پانی پانی ہی نہیں رہا (بلکہ برف بن گیا)۔

اسی طرح جب مومن بندہ چاہتا ہے کہ میرا تعلق اللہ کے ساتھ ہوجائے اور اپنے دل کی زمین پر اللہ کے نام کی ضربیں لگاتا ہے، شروع شروع میں چونکہ عادت نہیں ہوتی تو بعض مرتبہ اکتا جاتا ہے اگر اکتا کر چھوڑ بیٹھا پھر تو وہ منزل کو نہیں پائے گا۔ جیسے کنواں کھودنے والے نے جب شروع شروع میں کھدائی کی تو اُوپر اُوپر سے جو کوڑا کرکٹ ڈالا گیا تھا کہیں میدان میں کاغذ ڈالا گیا کہیں کپڑے ڈالے گئے ان کو ہٹاتے آدمی تھک جاتا لیکن جب کام جاری رکھ دیا تو تھوڑی محنت کے بعد اوپر کا وہ کوڑا کرکٹ ختم ہوتا گیا اور مٹی نمودار ہوگئی اور پھر اس کو کھودنے میں دل لگ گیا۔

ایسے ہی ہمارے دلوں کے اندر بھی چونکہ گناہوں کا کوڑا کرکٹ بہت پڑا ہوا ہے اس لئے جب اللہ کا نام شروع شروع میں لیں گے تو بعض مرتبہ طبیعت لگے گی نہیں، جگہ جگہ گناہوں کا کوڑا کرکٹ رکاوٹ بنتا رہے گا۔ لیکن آدمی لگا رہے لگا رہے یہ گناہوں کا کوڑا کرکٹ ختم ہوتا جائے گا غیر اللہ کے ساتھ مختلف قسم کے جو تعلقات ہیں مال کے ساتھ، جاہ کے ساتھ اور دوسری چیزوں کے ساتھ تو وہ ختم ہوتے ہوتے ایک وقت آئے گا کہ اللہ کا نام لینے میں مزہ آئے گا لیکن اب بھی منزل تک نہیں پہنچا اور آگے جائے، اور آگے جائے اب اللہ کے ساتھ تعلق ہوجائے گا، جیسے اصل پانی تک پہنچنے کے بعد کنواں کھودنے والے کو اصل پانی نظر آئے گا لیکن چونکہ بہت گہرا ہے اس لئے اوپر سے یہ دیکھا جائے گا تو آنکھوں سے جلد نظر نہیں آئے گا اسی طرح جب بندہ لگا رہے، لگا رہے اب اس کو یوں محسوس ہونے لگے گا کہ گویا کہ اللہ کو دیکھ رہا ہے، پھر وہاں تک جب

پہنچ جائے گا جیسے کنوں والا جتنا نیچے جائے اتنا اسکو صاف شفاف اور اچھا اور کثرت سے پانی ملتا رہے گا، اسی طرح مومن بندے کو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوجاتا ہے پھر وہ جتنا آگے بڑھے گا اس کا کوئی کنارہ نہیں۔

اسی کو اہل اللہ یا اہل تصوف ''سیر الی اللہ'' اور ''سیر فی اللہ'' کہتے ہیں، سیر الی اللہ مثلاً آدمی پانی تک پہنچ گیا کھودتے کھودتے کہیں کوڑا کرکٹ، کہیں مٹی (کہیں سفید مٹی کہیں کالی مٹی) کا سامنا ہوتا ہے۔اور جب تک وہ کنواں کھودتا رہتا ہے اس بات کا بہت خیال رکھتا ہے کہ اوپر سے کوڑا کرکٹ نہ گر جائے۔ نیچے سے مٹی کا نکالنا آسان ہے، لیکن اوپر سے اگر کوئی پتھر گر گیا پھر تو اس کا نکالنا ہی مشکل ہوجائے گا، اس کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔بعض مرتبہ اس جگہ ہی کو چھوڑنا پڑتا ہے، پھر دوسری جگہ کھودائی کرنی پڑتی ہے۔اسی طرح مومن بندہ اللہ تعالیٰ کے نام کی ضربیں اپنے دل کی زمین پر لگاتا ہے، لیکن ساتھ ساتھ دھیان بھی رہے کہ جتنی کھودائی ہوگئی اور جہاں تک پہنچ گیا اوپر سے گناہوں کا کوڑا کرکٹ نہ جانے پائے، اگر کھودتا گیا اور اوپر سے کوڑا کرکٹ ڈالتا گیا تو منزل تک نہیں پہنچ پائے گا، پانی نہیں ملے گا۔اسی طرح گناہوں کے کوڑا کرکٹ سے اپنے آپ کو بچاتا رہے، ان گناہوں کے کوڑے کرکٹ میں بعض مرتبہ ایسی چیز (گناہوں کی) گر جاتی ہے کہ آگے چل نہیں پاتا اور اس گناہ کی وجہ سے توفیق ہی ختم ہوجاتی ہے اور بعض مرتبہ بہت خطرناک حالت ہوجاتی ہے، اللہ حفاظت فرمائے (آمین)۔

جیسے اس کنواں کھودنے والے کو جگہ ہی چھوڑنی پڑتی ہے پھر اگر پانی کی تلاش کرے گا تو کہیں اور جگہ نئے سرے سے کھودنا پڑے گا۔ ایسے ہی مومن بندے کو بعض مرتبہ ایسے گناہ ہوجاتے ہیں جو ایمان ہی کے خلاف ہوتے ہیں ازسرنو معاملہ کرنا پڑتا ہے (یعنی تجدید ایمان کرنی پڑتی ہے)۔تو جب کنویں کی اس حد تک پہنچ جانا جہاں سے پانی نظر آگیا یعنی پانی تک رسائی ہوگئی اسکو سمجھ لیں کہ سیر الی اللہ ہے، اب جب پانی مل گیا اب نیچے جتنا جاتا ہے جائے تو کوئی حد نہیں۔حالانکہ یہ پانی یہ زمین سب مخلوق ہیں، جب ایک آدمی اس بات کا اعتراف کررہا ہے کہ کنواں کھودنے سے پانی تک رسائی تو ہوجائے گی لیکن پانی کہاں تک ہے نیچے جاتا جائے

زندگی ختم ہوجائے گی لیکن وہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں پانی کی انتہاء تک پہنچ گیا، یہ ایک مخلوق تھی ......! اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق ہوگیا تو اس کی کوئی حد نہیں، یہاں اللہ کے انبیاءؑ، ملائکہ، مقربین کو یہ کہنا پڑا:

سُبْحَانَكَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

اے پروردگار تیری معرفت، تیری پہچان کا جو حق تھا وہ ہم سے ادا نہیں ہوسکا۔

اب کون شخص ہے جو یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ میں انتہاء تک پہنچ گیا؟

بس انتہاء تک پہنچنا یہ ہے کہ تلاش کرتے کرتے ڈھونڈتے ڈھونڈتے اپنی جان کو کھپا دے، جب زندگی اسی میں ختم ہوگی تو معلوم ہوگیا کہ وہ پہنچ گیا جہاں تک پہنچ گیا لیکن زندگی ختم ہونے سے پہلے رکے نہ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ساتھ خاص تعلق نصیب فرمائے۔(آمین)

*****

تمنا ہے کہ اب کوئی جگہ ایسی کہیں ہوتی
اکیلا بیٹھا رہتا یاد ان کی دل نشیں ہوتی
وہاں رہتا جہاں عالم آہوں فغاں ہوتا
وہاں بستا جہاں اشکوں تر اپنی زمین ہوتی

سمجھدار کون؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ:

اللہ کے نزدیک عقلمند اور سمجھدار وہی لوگ ہیں جو اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔فرمایا: إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ [الزمر: 9]

ترجمہ: سمجھتے وہی ہیں جو عقل والے ہیں۔یعنی نصیحت تو عقل والے حاصل کرتے ہیں، سمجھ والے حاصل کرتے ہیں۔

کون ہیں عقل والے؟

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ [آل عمران: 191]

(وہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے یاد کرتے ہیں)

یعنی ہر حال میں، وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدائش میں [تدبر کرتے ہیں] غور وفکر کرتے ہیں) اور اس غور وفکر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتے ہیں کہ وہ ذات جس نے بلند و بالا اور وسیع ترین آسمان کو بغیر کسی ستون کے پیدا کیا وہ اللہ جس نے زمین کو پیدا کیا اور انسان اور تمام مخلوقات کی ضروریات کو اس زمین کے اندر اس قدر پوشیدہ رکھا کہ جس قدر ضرورت ہوتی ہے اس قدر ضروریات زمین سے ابھر آتی ہیں اور اللہ کے بندے اور مخلوق استعمال کرتی ہیں، پھر جب اور ضرورت پیش آئے بقدر ضرورت پیدا فرماتے ہیں، اللہ پاک نے رکھا تو سارا اسی زمین کے اندر اور اتنا رکھا جو قیامت تک سب کے کام آوے کوئی کمی اللہ تعالیٰ کی اس زمین کے اندر نہیں، یہ بھی ہے کہ ایک ساتھ نہیں

نکالا ایک ساتھ نکالتے تو مصیبت بن جاتی و بالِ جان بنتی، اللہ بقدر ضرورت نکالتا ہے۔

"وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" آسمان اور زمینوں کے پیدا کرنے میں غور وفکر کرتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً (اے ہمارے رب تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا) پروردگار آپ نے اس بلند و بالا آسمان اور اس وسیع اور لامحدود زمین کو بیکار پیدا نہیں کیا بلکہ بندوں کی ضرورت کے لئے پیدا کیا۔

اس لئے فرمایا: "اِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ"[1] کہ دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی، یہ نہیں کہ تم کو دنیا کے لئے پیدا کیا گیا، اگرچہ ہم اپنے عمل سے تو یہی ثابت کر لیتے ہیں کہ ہم کو دنیا کے لئے پیدا کیا گیا ہم کو مال حاصل کرنے کے لئے، عزت حاصل کرنے کے لئے، عہدہ حاصل کرنے کے لئے اور مختلف چیزوں کے لئے پیدا کیا گیا اپنے عمل سے تو ہم یہ ثابت کرتے ہیں، لیکن حدیث میں کیا ہے "اِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ" دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی اور دنیا کو جس کے لئے پیدا کیا گیا وہ نافرمانی نہیں کرتی تو قرآن میں ارشاد فرمایا کہ جب ہم نے آسمان اور زمین کو حکم دیا: اِئْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا آو چاہے خوشی خوشی، یا ناگواری کے ساتھ انہوں نے جواب دیا ہم خوشی خوشی آئے ہم نے خوشی خوشی اطاعت وفرمانبرداری کا راستہ اختیار کیا تو "اِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ" کہ دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی جب ہمارے لئے پیدا کی گئی اور جس قدر جس کے لئے پیدا کیا گیا وہ تو اس کے پاس پہنچ کر رہے گا ہم کو دنیا کے لئے پیدا نہیں کیا گیا البتہ ہم کو دنیا سے ضروریات حاصل کرنے کی اجازت دے دی گئی لیکن محض دنیا کے لئے ہم کو پیدا نہیں کیا گیا بلکہ "وَاِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ" تم کو تو آخرت کے لئے پیدا کیا گیا۔

---

[1]. تنبیه الغافلين بأحاديث سيد الأنبياء والمرسلين لسمرقندی| عن جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ | رقم الحديث 147: يَقُولُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ لَكُمْ مَعَالِمَ فَانْتَهُوا إِلَى مَعَالِمِكُمْ، وَإِنَّ لَكُمْ نِهَايَةً فَانْتَهُوا إِلَى نِهَايَتِكُمْ، وَإِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ بَيْنَ مَخَافَتَيْنِ، بَيْنَ أَجَلٍ قَدْ مَضَى لَا يَدْرِي مَا اللّٰهُ صَانِعٌ بِهِ، وَبَيْنَ أَجَلٍ قَدْ بَقِيَ لَا يَدْرِي مَا اللّٰهُ قَاضٍ فِيهِ، فَلْيَتَزَوَّدِ الْعَبْدُ مِنْ نَفْسِهِ لِنَفْسِهِ، وَمِنْ حَيَاتِهِ لِمَوْتِهِ، وَمِنْ شَبَابِهِ لِكِبَرِهِ، وَمِنْ دُنْيَاهُ لِآخِرَتِهِ، فَإِنَّ الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَأَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَةِ: فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ مُسْتَعْتَبٍ، وَلَا بَعْدَ الدُّنْيَا دَارٌ إِلَّا الْجَنَّةَ أَوِ النَّارَ، أَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِي وَلَكُمْ ".

جس کام کے لئے ہم کو پیدا کیا گیا وہ تو ہم بھول گئے اور جس چیز کو ہمارے لئے پیدا کیا گیا ہم نے اپنے عمل سے ظاہر کر دیا اس کو ہمارے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہم ہی کو اس کے لئے پیدا کیا گیا۔

تو عقلمند کون ھیں؟ جو اٹھتے بیٹھے چلتے پھرتے ہر حال میں اپنے اللہ کو یاد رکھیں، کسی بھی حال میں اللہ کو بھلا نہ دیں۔اسی لئے جو لوگ اللہ کو بھلا دیتے ہیں تو اللہ ان کو آخرت میں جو سزا دینگے وہ تو دینگے ہی، دنیا میں بھی ان کو سزا مل جائے گی۔اسی لئے اللہ نے فرمایا "وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا الله "(مت ہو جانا ان لوگوں کی طرح (ان غافلوں کی طرح) جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا) تو سزا کیا ملی؟ "فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ " (سو اللہ نے خود ان کی جانوں کو ان سے بھلا دیا) یعنی اپنی ذات سے ہی بے خبر کر دیا کہ اپنے نفع اور نقصان ہی کو بھول گئے۔اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہے!؟ اس سے بڑا دھوکہ اور کیا ہے!؟ اس لئے دنیا کے کاموں کے اندر دن رات زندگی پگھلتی جارہی ہے احساس ہی نہیں، یہ سزا ہے اللہ تعالیٰ کو بھلانے کی، یہ سزا ہے اللہ تعالیٰ کو یاد نہ رکھنے کی۔

لھذا مومن بندہ کو چاہئے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے زبان سے بھی یاد کرتا رہے ، دل سے بھی یاد کرتا رہے، عمل سے بھی یاد کرتا رہے، اس کے ہر عمل سے ثابت ہو کہ ہاں اس کو اللہ یاد ہے یہ اللہ سے غافل نہیں ہے یہ اللہ کی عظمت ، اللہ کی قدرت، اللہ کی کبریائی، اللہ کے احکام سے غافل نہیں بلکہ اس کو ہر حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ یاد ہے۔

اور ذکر بھی کثرت کے ساتھ کریں م تھوڑے بہت سے کام نہیں چلے گا تھوڑا بہت تو منافق بھی کرتے ہیں وَلَا يَذْكُرُونَ اللهَ إِلَّا قَلِيلًا (اور اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں) یعنی منافق اللہ کا ذکر تھوڑا کرتے ، بہت نہیں اور ہمارا اس سے کام نہیں چلے گا اور ہم کو حکم ہے:

"يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيرًا "(اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو)

اللہ پاک عمل کی توفیق عطا فرمائے......آمین۔

قرآن مقدس کا ایک اہم حق

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ (وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے) يَتْلُونَهٗ (وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں) کیسی؟ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ (جیسا اس کی تلاوت کا حق ہے) آگے فرمایا: أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهٖ (البقرہ: 121) (وہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں)۔

طلباء موجود ہیں عربی جاننے والے موجود ہیں، علماء وماشاءاللہ موجود ہیں، یہ حضرات جانتے ہیں کہ یہاں حصر ہے اولئک یو منون بہ یہی لوگ ایمان لانے والے ہیں۔

قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ﴿البقرہ 2﴾ (یہ کتاب کہ کوئی شبہ اس میں نہیں) آگے فرمایا: أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ [البقرۃ : 5] (وہی لوگ اپنے رب کے راستہ پر ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں)۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهٖ (وہی لوگ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں)۔

کون لوگ؟ جو حق تلاوت کرتے ہیں۔

حق تلاوت کیا ہے؟

مختلف جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ {آل عمران: 113} (وہ رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں) اس لئے پیغمبر علیہ السلام کو گویا حکم دیا گیا: يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (1) قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا (2) [المزمل : 1-2] (اے چادر اوڑھنے والے۔ رات کو قیام کر مگر تھوڑا سا حصہ) راتوں کے اٹھنے کا حکم دیا نِصْفَهٗ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا (3) أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ

الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (4) [المزمل : 3-4] (آدھی رات یا اس میں سے تھوڑا سا حصہ کم کر دے۔ یا اس پر زیادہ کر دو اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو) آگے فرمایا إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا [المزمل : 3-5] (ہم آپ پر عنقریب بھاری کلام ڈالنے کو ہیں) ایک قول ثقیل ہم نے آپ پر اتارنا ہے اور دوسری جگہ فرمایا: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا (23) (ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا)

آگے کیا ارشاد فرمایا: فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا (پھر آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیا کریں اور ان میں سے کسی بدکار یا ناشکرے کا کہا نہ مانا کریں) پھر فرمایا: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (اور اپنے رب کا نام صبح اور شام یاد کیا کریں) یعنی صبح اور شام کو اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کر۔ معلوم ہوتا ہے کہ راتوں کے اُٹھنے میں اللہ کے کلام کی تلاوت میں، راتوں کو اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کا نام لینے میں اور نزولِ قرآن میں کوئی خاص تعلق ہے۔

میں جگہ جگہ اس طرح کے موقعوں پر عرض کرتا رہتا ہوں کہ قرآن کے حقوق میں سے ایک اہم حق اس کی تلاوت اور یہ حق ہر مومن بندے پر ہے اپنی اپنی حیثیت سے اور جن لوگوں کو اللہ پاک نے قرآن کی عظیم دولت سے نوازا حفظ قرآن کی عظیم دولت سے، علم قرآن کی عظیم دولت سے، ان پر تو یہ حق خاص طریقے پر عائد ہوتا ہے۔ کوئی مومن ہو پھر تلاوت ناغہ ہو اس کا جوڑ نہیں، حافظ قرآن تو دور کی بات اور اگر دنیا کی دولت کسی کو مل جاوے ہزار، پچاس ہزار، پھر اس کو وہ گم ہو جائے تو وہ کس قدر بے چین ہو گا کہ پتہ نہیں کہاں گئی دس پارے ملے، پانچ پارے ملے، دو پارے ملے پورا قرآن یاد کیا اور حافظ بنا اور بھلا دیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، بعض دفعہ طلباء حفظ شروع کرتے ہیں اور پھر حفظ میں چل نہیں پاتے آگے عربی میں داخلہ لے لیا یا کسی اور وجہ سے پورا حفظ نہیں کیا کہ اور کام میں لگ گیا، جو چار پارے اس نے حفظ کئے اس کی حفاظت اس پر فرض عین ہے حافظ بننا فرض عین نہیں فرض کفایہ ہے ہاں حافظ بننا بڑی سعادت ہے، امت میں حفاظ کی کثیر تعداد موجود ہو لیکن جو اللہ کا بندہ حافظ بن گیا اور جس بندے کے کچھ پارے یا کچھ سورتیں یاد ہو گئیں تو اس پر ان پاروں کو یا ان سورتوں کو یاد رکھنا فرض عین ہے۔ تو مومن بندے کا خصوصیت کے ساتھ حافظ قرآن کا اصل کام یہی ہے کہ وہ اس کو یاد رکھے۔ دیکھو سب سے عظیم صاحب قرآن

کائنات میں امام الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ان کو حکم راتوں کو اٹھنے کا اور راتوں کو اٹھ کر اپنے رب کے سامنے قرآن کی تلاوت کا اور تلاوت بھی کیسے وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا اب جن جن بندوں کو اللہ نے اس عظیم دولت سے نوازا انہیں بھی اس بات کے خاص اہتمام کا عادی ہونا چاہیئے کہ راتوں کو اُٹھ کر اللہ کے دئے ہوئے قرآن کی تلاوت کریں اور پابندی کے ساتھ تلاوت کیا کریں ایسا نہ ہو کہ رات کے اٹھنے کی تو دور کی بات دن کے اوقات میں بھی قرآن کی تلاوت نصیب نہ ہو اس سے بڑی محرومی کیا ہوگی؟

یہاں کیا ہے ناشتہ اگر سات بجے کرنے کا عادی ہے نو بجے تک ناشتہ نہیں کیا بے چینی، چائے کا عادی ہے وقت پر نہیں ملی سر میں درد اور اس گندی چیز سگریٹ کا عادی ہو وقت میں نہیں ملا بیت الخلا میں جا کر پڑے گا چین نہیں آئے گا استنجاء نہیں ہوگا اور قرآن کی عظیم تلاوت ہفتوں نصیب نہیں ہو رہی ہے جیسا کہ کچھ ہوا ہی نہیں دو پارے، چار پارے، دس پارے یاد کئے اب ایک بھی یاد نہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''میری امت کے گناہ میرے سامنے پیش کئے گئے ان میں بہت عظیم اور بڑا گناہ میں نے جو محسوس کیا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو کوئی آیت، کوئی سورت دی گئی (یعنی یاد ہوئی) اس نے اس کو بھلا دیا''[1]۔غرض یہ ہے کہ قرآن کے حقوق میں سے ایک عظیم ترین حق اسکی تلاوت ہے اور وہ تلاوت بھی بہترین انداز سے ہو۔

(میں کبھی کہا کرتا ہوں) اگر کوئی شخص کبھی امام بن جائے یا کہیں کسی جلسہ میں تلاوت کا موقعہ مل جائے یا کوئی اور معاملہ ہو وہاں جب تلاوت کرے گا تو بہت سنوار سنوار کر اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سنانے کا موقعہ آجائے نماز کے اندر تو، کبھی بعض کو رکعت چھوٹ جاتی ہے اب دائیں بائیں جن کی رکعت چھوٹ گئی ابھی سُبحانَكَ اللّٰهُمَّ آدمی پڑھتا ہوتا ہے اتنے میں انہوں نے

---

[1] سنن أبي داود | كِتَابُ الصَّلَاةِ | بَابٌ : فِي كَنْسِ الْمَسْجِدِ:
عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عُرِضَتْ عَلَيَّ أُجُورُ أُمَّتِي حَتَّى الْقَذَاةُ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ، وَعُرِضَتْ عَلَيَّ ذُنُوبُ أُمَّتِي فَلَمْ أَرَ ذَنْبًا أَعْظَمَ مِنْ سُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ أَوْ آيَةٍ أُوتِيَهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا".
سنن الترمذی

سبحانک اللھم بھی پڑھی سورہ فاتحہ بھی پڑھی اور سورت بھی ملائی اور رکوع میں بھی گئے پتہ نہیں کیسے طی الزمان ہوگیا، کیا مسئلہ ہوگیا؟ توغرض یہ ہے کہ قرآن کے حقوق میں سے ایک اہم ترین حق قرآن پاک کی تلاوت، مومن بندہ طے کرلے کہ کچھ بھی ہوجائے تلاوت مجھے سے ناغہ نہ ہو اس کے لئے آدمی کوئی وقت مقرر کرلے۔ جب آدمی کسی کام کے لئے وقت مقرر کرتا ہے تو عام طور پر ناغہ نہیں ہوتا، یہ نہیں کہ جب موقعہ ملے تب کریں گے۔

ہم کوتو کھانے کے لئے وقت مقرر، سونے کے لئے وقت مقرر دوستوں کے کھیل کا وقت مقرر، بازار جانے کے لئے وقت مقرران چیزوں کے لئے وقت مقرر لیکن تلاوت کرنے کے لئے وقت مقرر نہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے توقرآن پاک کی تلاوت کے لئے اور اپنا نام لینے کے لئے اپنے محبوب کے لئے خود وقت مقرر کیا کہ رات کواٹھا کریں اور اتنی دیر اٹھا کریں اور بس یہ دو کام کریں، ایک تو اپنے رب کے کلام کی تلاوت کریں حق تلاوت کے ساتھ اور ایک اپنے رب کا نام لیں، لیکن کیو کر؟ "وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا " بس اسی کے ہوکر۔

لہٰذا اس کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے بعض مرتبہ آدمی سمجھتا ہے کہ میں تو دن رات قال اللہ اور قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے پڑھنے اور پڑھانے میں مصروف ہوں، یقیناً عظیم عبادت ہے لیکن پیغمبر علیہ السلام کی عظیم عبادت اس سے کہیں عظیم تھی، لیکن پھر بھی آپ کو کیا کہا جارہا ہے راتوں کو اٹھا کریں وجہ کیا بیان کی کہ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا [المزمل : 7] کہ دن کے اندر آپ کی مصروفیات بہت ہوتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ وہ مصروفیات عظیم عبادت، عظیم قرب خداوندی کا ذریعہ کہ اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے، کفر کی ظلمت سے نکال کر ایمان کے نور کے اندر داخل کرے، لیکن وہ عبادت، اور وہ اللہ کی بندگی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری وہ بالواسطہ ہے، اس میں دوسروں کا واسطہ ہے، کہیں طلباء کا واسطہ، کہیں جو ہے اصحاب صفہ کا واسطہ، کہیں عوام کا، کہیں کفار کا وغیرہ وغیرہ، اس لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا ہو جہاں میرا اور آپ کا معاملہ بلاواسطہ کے ہو، فرشتوں کا بھی اس میں کوئی عمل دخل نہ ہو۔

غرض ادھر مخصوص وقت اللہ تعالیٰ نے متعین کیا پیغمبر علیہ السلام کے لئے راتوں کو اٹھیں اور

حقِ تلاوت کے ساتھ قرآن کی تلاوت ترتیل کے ساتھ کریں اور اپنے رب کا نام لیں اس میں کسی اور کا واسطہ نہ ہو بلا واسطہ ہو۔

ایسے ہی جن کو اللہ پاک نے علم کی دولت عطا کی، قرآن کی دولت عطا کی ان کے لئے خصوصیت کے ساتھ کوئی ایسا وقت ضرور مقرر ہو جہاں کوئی واسطہ نہ ہو۔ مطالعہ یہ بھی عبادت ہے لیکن یہ بالواسطہ ہے، مطالعہ اس لئے کر رہا ہے تاکہ کل طلباء کو پڑھاؤں ہے تو یہ عظیم عبادت اور حق بھی ہے طلباء کا، لیکن کوئی سوچے ان پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ میں نے کبھی سوچا کہ میں روز دس منٹ، پندرہ منٹ، آدھا گھنٹہ نکالوں جس میں میرے اور اللہ کے درمیان کسی اور کا واسطہ نہ ہو، قرآن میں پیغمبر علیہ السلام کو جگہ جگہ ارشاد فرمایا:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ (7) وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَب (8) [الشرح: 7-8]
(پس جب آپ (تبلیغ احکام سے) فارغ ہوں تو ریاضت کیجئے اور اپنے رب کی طرف دل لگائیے)۔

تو قرآن کی تلاوت قرآن کا ایک عظیم حق ہے جو اس عظیم حق کو ادا کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتے ہیں ''یہ لوگ ہیں جو قرآن پر ایمان لائے ہیں'' اور یہ الفاظ حصر کے ہیں، اس لئے آگے فرمایا: وَمَن يَكْفُرْ بِهِ ایمان کے مقابلے میں کفر کو ذکر فرمایا فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (البقرہ 121) (یہی لوگ (پورا) نقصان اٹھانے والے ہیں)

اللہ تعالیٰ مجھے بھی قرآن کی حق تلاوت کی توفیق دے، آپ حضرات کو بھی اور ساری امت کو بھی (آمین)

دل کا اصل کام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ۔ اَمَّا بَعْد:

اللہ تعالیٰ نے ہم کو مختلف اعضاء دئے ہیں اور ہر عضو کے متعلق ایک کام ہے اور اس عضو کا مقصد ہی وہی کام ہے ۔مثلاً آنکھ ہے، اسکا مقصد ہی دیکھنا ہے، ہاں دیکھنے کے حدود متعین ہیں۔ کان ہے، کان کا مقصد سننا ہے۔ ناک ،اسکا مقصد سونگھنا ہے، سانس کا لینا وغیرہ ہے۔ زبان کا مقصد چکھنا ہے کہ ذائقہ کیسا ہے؟ زبان تک جب وہ غذا پہنچے گی جو طبیعت کے موافق ہو فوراً وہ اس غذا کی لذت محسوس کرے گی اور اگر وہ غذائیں پہنچیں جو طبیعت کے خلاف ہیں آدمی کو جن کی عادت نہیں فوراً ان کی کڑواہٹ محسوس کرے گی یا کوئی کھٹی چیز ہو تو اس کی کھٹائی کو محسوس کرے گی اسی طرح ہمارے پورے بدن کے اندر سب سے زیادہ اہم اور نازک عضو وہ ہمارا دل ہے۔ کان سے، آنکھ سے ،زبان سے، سب سے زیادہ جو حساس عضو ہے ، وہ یہی (دل) ہے ۔جس طرح زبان جوں ہی اس کو کوئی چیز آ گئی ،کسی بھی طرح کی کوئی چیز فوراً اس کو محسوس کرے گی لیکن اگر خدانخواستہ زبان کے اندر جو قوت ذائقہ ہے وہ ختم ہو جائے یعنی بگڑ جائے (اللہ قادر ہے کچھ بھی کر سکتا ہے) جیسے کہ مشہور ہے کہ سانپ کے کاٹے کو میٹھا کڑوا اور کڑوا میٹھا لگتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ زبان بے کار ہوئی، اس کا جو اصل مقصد تھا اس سے حاصل نہیں ہوتا اس زبان سے زیادہ نازک دل ہے بہت جلد متاثر ہونے والا عضو ہے لیکن جب اس کے اندر احساس ہو، دل زندہ ہو اور دل کے زندہ رکھنے کی فکر کرنی ہے ہم میں سے ہر کسی کو کرنی ہے، دل زندہ کس سے رہے گا اور مردہ کیسے ہوگا؟ جتنے بھی گناہ ہیں وہ اس دل کو مردہ

بنانے اور بے حس بنانے والے ہیں اور جتنی بھی طاعات ہیں وہ اس دل کو حساس بنانے والی ہیں اور اس کی کیفیت کو بڑھانے والی ہیں اس کی نورانیت کو بڑھانے والی ہیں اسی لئے فرمایا: " مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ، مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ "[1] اس آدمی کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا رہتا ہے اور اس کی مثال جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا ہے **کمثل الحی والمیت** زندہ اور مردہ کی سی ہے یعنی جو یاد کرتا ہے وہ زندہ ہے اور جو یاد نہیں کرتا ہے وہ مردہ ہے یاد کرنے کے مختلف طریقے ہیں زبان سے یاد کرنا عمل سے یاد کرنا لیکن......قلب کے اندر یاد کرنے اور ذکر کا مخصوص چیز پر اطلاق ہونا ہے اور اس کا اس کے اندر بڑا عمل دخل ہے۔ بندہ جب کثرت کے ساتھ اپنے اللہ کا ذکر کرتا رہے گا تو یہ ذکر (اللہ کو یاد کرنا) دنیا کے اندر بھی اس کے اطمینان وسکون کا ذریعہ ہوگا۔ دنیا کا کوئی حاکم جس پر اعتماد ہو کہے کہ یہ کام کرو تم کو سکون ملے گا اطمینان ملے گا، آدمی کو چین نہیں آئے گا کہ کیسے یہ کام کروں اور یہاں کوئی حاکم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین اپنے کلام (جس کی الگ ہی شان ہے) میں فرماتے ہے: الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ [الرعد: 28] (وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے تسکین ہوتی ہے) ان کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں اللہ کے ذکر سے، کچھ اور ملے یا نہ ملے ان کو اطمینان ہو جاتا ہے۔ ایک آدمی ہے اس کو بھوک لگی ہے کہ اس کی فطرت کے اندر ہے، نہ لگے تو یہ بیماری مانی جاتی ہے اسی بھوک کا جو مسئلہ ہے کہ اگر لگ گئی تو آدمی کو کچھ ملے یا نہ ملے لیکن کھانا مل جائے۔ کپڑا نہ ہو، سواری نہ ہو، رہائش کا مکان نہ ہو، غرض کوئی چیز نہ ہو، لیکن اگر کھانے کو اس کو کچھ مل جائے، باقی بدن کو سردی لگے، گرمی لگے، لیکن معدے کو اطمینان ہو جائے گا۔ اس کے برعکس سب کچھ ملے، اچھا کپڑا، اچھا مکان، اچھا لباس، اچھی گاڑی، اچھا عہدہ، لیکن معدے کی چیز نہ ملے تو ان ساری چیزوں کا ملنا اس اندر والے حصے (معدے) کیلئے

---

[1] صحیح البخاری | كِتَابٌ: الدَّعَوَاتُ. |بَابُ فَضْلِ ذِكْرِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ.:
عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ، مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ ".

اطمینان کا ذریعہ نہیں اور اندر سے بھوک کی وجہ سے بے چینی بڑھے گی اسی طرح ہمارا دل ہے اگر یہ حساس ہے اس کوتو بہرحال اپنے وقت پر غذا ملنی چاہئے اور نہ ملی تو یہ بے چین ہوگا، اس کی بھوک تیز تر ہوجائے گی، لیکن کس کو؟ جس کا یہ دل زندہ ہو، حساس ہو۔ بے حس کیلئے کوئی مسئلہ نہیں، حساس آدمی کیلئے جس قدر اللہ کا ذکر زیادہ کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل کے اطمینان کو زیادہ بڑھائے گا اور جس قدر گناہ ہونگے یہ دل فوراً متاثر ہوجائے گا اور اس کی وہ نورانیت ختم ہوتی جائے گی اور اس کی جگہ ظلمت بڑھ جائے گی لیکن ہوگا اسی کو احساس جس کا دل حساس ہو اور بے حس آدمی اس کا ذکر میں تو دل لگے گا ہی نہیں، گناہ کرے گا ان گناہوں کے کرنے سے دل کے اندر وہ بے چینی اور پریشانی نہ ہونا یہ بہت بڑی مصیبت ہے اور مومن بندے کیلئے یہ چیز نا قابل برداشت ہے......! فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ [الرعد: 28] (وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے تسکین ہوتی ہے) پھر فرمایا "اَلَا" خبر دار، یاد رکھو، غور سے سنو، یہ یاد رکھو یا غور سے سنو یہ ہے کس کا کلام؟ کوئی بزرگ آجائے ہمارے یہاں، حضرت امیر کبیرؒ آئیں، حضرت شیخ العالمؒ آجاویں، کوئی ایسے بزرگ آجاویں جس کے ساتھ ہمیں عقیدت ہو، محبت ہو اور فرمائے کہ میں آپ کو ایک بات بتا رہا ہوں توجہ سے سنو، یاد رکھو، غور سے سنو، کام کی بات بتلاتا ہوں، تو کس قدر دل وجان سے ہم متوجہ ہونگے......؟ ظاہر کے کان تو لگائیں گے ہی دل کے کان بھی لگائیں گے پھر وہ صرف ایک ہی بات فرمائیں شاید ہی کوئی ہو جو یاد نہ رکھے۔

اس کے برخلاف یہاں اللہ رب العزت فرماتے ہیں اَلَا: خبردار یاد رکھو بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (اللہ کی یاد ہی سے دل تسکین پاتے ہیں)۔ طلبہ پڑھتے ہیں جار مجرور جب مقدم آجائے اس کا مقصد اور فائدہ حصر ہے اگر یہ ہوتا الا تطمئن القلوب بذ کر اللہ اور اصلی ضابطہ یہی ہے کہ جار مجرور بعد میں آجائے لیکن یہاں بذکر اللہ کو مقدم کیا اس کا فائدہ یہی حصر ہے یاد رکھو بس اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے اس کے علاوہ کسی چیز سے نہیں۔ ہمارا معاملہ کیا ہے سب کچھ کرتے ہیں اور سب کاموں کیلئے ہمارے پاس فرصت ہے اگر فرصت

نہیں تو اللہ تعالیٰ کے اس نام کے واسطے اور اپنے تعلق کو بڑھانے کے واسطے اور اس نسخے کے عملانے کے واسطے جو اللہ نے تجویز کیا، اور فرمایا اس نسخے کو بہت زیادہ بہت زیادہ استعمال کریں۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا [الأحزاب: 41] (اے ایمان والو اللہ کو بہت یاد کرو) اور فرمایا بس سمجھدار وہ ہی لوگ ہیں جو اس میرے بیان کردہ نسخے کا استعمال کرتے ہیں۔ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ [الزمر: 9] (سمجھتے وہی ہیں جو عقل والے ہیں)

ہے کون سمجھ دار؟ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ (وہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے یاد کرتے ہیں) یعنی لیٹے لیٹے، بیٹھے بیٹھے، کھڑے کھڑے ہر حال میں ذکر اللہ کے نسخے کو استعمال کرتے ہیں یہ ذکر اللہ جو ہے یہ دل کی غذا ہے اور دل کا سدھرنا ہی سارے اعضاء کے سدھرنے کا ذریعہ ہے اگر کسی ملک کا بادشاہ سدھر جائے تو ساری رعیت پر اسکا اثر پڑ جائے اور اگر اس کے اندر بگاڑ ہو اس کے بگاڑ کے اثرات جہاں جہاں رعیت ہے اور جہاں جہاں اس کی سلطنت ہے اس پر کچھ نہ کچھ اثر پڑ جائے گا

ایک واقعہ مشہور ہے، ایک بادشاہ جا رہا تھا، راستہ میں ان کو پیاس لگی، کسی شخص کے ہاں گیا جو گھر کا مالک تھا، اس سے کہا بھائی مجھ کو کچھ پلاؤ مجھے پیاس لگی ہے، وہ گیا فوراً اور انار کو نچوڑ کر لایا اور پیش کیا، اب بادشاہ نے جو یہ پیا تو بہت ہی ذائقہ دار اور اتنے چھوٹے انار میں اتنا سارا پانی نکل گیا، بادشاہ نے دوسرا گلاس مانگا، ادھر سے اس کے دل میں آیا کہ ایسے باغ پر جو ہم نے ٹیکس لگا رکھا ہے وہ تو بالکل کم ہے لہٰذا اس کا ٹیکس بڑھانا چاہئے، اتنا اس میں رس (Juice) نکلتا ہے، اتنا مزیدار ہے، جب وہ باغ کا مالک دوسرا گلاس لایا لیکن اس میں نہ وہ ذائقہ، نہ وہ لذت اور نہ اتنا رس نکلا، کہا یہ کہاں سے لایا، باغ کے مالک نے کہا اسی باغ سے اسی انار کے درخت سے، پھر کیا معاملہ ہوا کہ یہ کم نکلا اور مزیدار بھی نہیں؟ باغ کے مالک نے کہا: لگتا ہے کہ بادشاہ کی نیت بگڑ گئی، حالانکہ وہ اس کو نہیں جانتا تھا کہ یہ بادشاہ ہی ہے، بادشاہ کو فوراً تنبیہ ہوئی کہ میں نے جو سوچا تھا کہ ٹیکس بڑھاؤں اب ایسا نہیں کرونگا، پھر اسے ایک اور گلاس لانے کیلئے کہا وہ گیا اور اسی انار کے درخت سے لایا اور بہت لایا اور وہ مزیدار بھی تھا، بادشاہ نے کہا اب کیسے اتنا سارا پانی نکالا

اور ایسا ذائقہ دار؟ اس نے کہا لگتا ہے کہ بادشاہ کی نیت ٹھیک ہوگئی ہے۔ معلوم ہوا بادشاہ کا اثر رعیت پر پڑتا ہے اس کی اچھائی کا بھی اور برائی کا بھی۔

اور اس پورے بدن میں تمام اعضاء کا بادشاہ جو ہے وہ دل ہے اگر اس کے اندر سدھار ہوگا یہ اپنے کام میں مشغول ہوگا تو ساری رعیت پر اس کا اثر پڑے گا اور اس کی رعیت آنکھ، زبان، کان، ہاتھ، وغیرہ ہیں کیونکہ سب اس کے ماتحت ہیں۔ اسی لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اَلاَ اِنَّ فی الجسد مضغةً**[1] یا درکھو انسان کے جسم کے اندر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے **اذا صلحت صلح الجسد کله** اگر وہ ٹھیک ہوگیا تو سارے جسم اور ساری سلطنت ٹھیک ہوگی اس میں عدل وانصاف قائم ہوگا زبان عدل کیساتھ بولے گی، کان عدل کے ساتھ سنے گا، دماغ عدل کے ساتھ سوچے گا، ہاتھ پیر عدل کے ساتھ چلیں گے، تجارت کے اندر عدل آئے گا، نماز کے اندر عدل آئے گا غرض ہر چیز کے اندر عدل آئے گا، **و اذفسدت فسد الجسد کله** اور اگر یہی بادشاہ (دل) بگڑ گیا تو ساری رعیت پر اس کا برا اثر پڑے گا **الا و ھی القلب** خبر دار وہ جو بادشاہ جس کے سدھرنے اور بگڑنے پر بقیہ رعیت (اعضاء) کے سدھرنے اور بگڑنے کا دارمدار ہے وہ...... **دِل** . . . ہے۔

اور ہمارا معاملہ کیا ہے؟ ہر چیز پر توجہ، اللہ نہ کرے اگر آنکھ کی روشنی میں کمی آجائے، بے چینی فوراً اس کی فکر، کان کے سننے میں کمی فوراً تدارک، ہاتھ پیر کی حرکت کے اندر اللہ نہ کرے اگر بے حسی آ گئی تو بے چینی ہوگی حالانکہ ان سارے اعضاء کیلئے آخر یہی ہے کہ ان کے کام میں کمزوری آتی ہے کہ بڑھاپا آ گیا تو ان اعضاء کے کام کرنے میں کمی آتی ہے لیکن برداشت نہیں فوراً آپریشن

---

[1] صحیح البخاری | كِتَابٌ : الْإِيمَانُ | بَابُ فَضْلِ مَنِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ :
سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : " الْحَلَالُ بَيِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشَتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يقع فيه أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا إِنَّ حِمَى اللَّهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ ".
صحیح مسلم

وغیرہ یہی دل ہے، اس کے اندر بگاڑ آ گیا اس کی کوئی فکر اور تدارک نہیں۔ حالانکہ دل ایسا ہے کہ عمر بڑھتی گئی بڑھتی گئی اگر اسکو اس کی غذا فراہم کرتا رہے تو جتنا آدمی بوڑھا ہوتا جائے گا یہ دل جو بادشاہ ہے اس کے اندر باغ و بہار بڑھتی جائے گی۔ کوئی عضو ایسا نہیں ہے کہ اس کا باغ و بہار بڑھاپے کے ساتھ بڑھتا رہے سوائے دل کے۔ لیکن یہ جب ہوگا جب کہ مومن بندہ اس کی طرف توجہ کرے گناہوں کے گندے اثرات سے چاہے آنکھ کا گناہ ہو، کان کا ہو، زبان کا ہو، کمائی کا ہو، خرچ کرنے کا ہو وغیرہ وغیرہ ان گناہوں کے گندے اثرات دل پر پڑیں گے لہٰذا گناہوں کے اثرات سے اس کو بچاؤ اور ذکر اللہ کی غذا اس کو چلتے پھرتے لیٹے لیٹے کھڑے کھڑے دیتے رہو اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ دل کے اندر کیسی بہار آئے گی۔ پھر اگر اس باغ بہار میں ذرا سی کمی آ گئی اب آدمی بے چین ہوگا اسی لئے فرمایا:

بر دلِ سالک ہزارہا غم بود
گر زِباغ دل خلالِ کم بود

اور سالک وہی ہے جو اپنے دل کے سدھار کی ہمیشہ فکر رکھتا ہے اور اللہ کے قرب کے راستے میں چلتا ہے جہاں کوئی لغزش ہوگی خطا ہوگی فرشتہ ہے نہیں لیکن اس خطا کا اثر بہر حال پڑنا ہی پڑنا ہے چونکہ یہ سالک ہے ہمیشہ یہ فکر کرتا ہے اس لئے فوراً اس کمی کو محسوس کرتا ہے اور غمزدہ ہوتا ہے کہ اس دل کے باغ کے بہار میں ایک تنکے کی کمی کیوں ہوئی بس یہ بے چین ہو جاتا ہے لہٰذا کبھی توبہ کبھی استغفار کبھی رونا کبھی گڑگڑانا۔

جب تک اس کو وہ باغ بہار میں جو کمی آ گئی تھی واپس نہ آئے اس کو چین نہیں ہوتا۔
اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے بھی ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

*****

دوستی اور دشمنی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بَعْد:

آدمی کے دنیا میں بہت سارے دوست بھی ہوتے ہیں اور بہت سارے دشمن بھی۔ پھر بعضوں کی دشمنی اور دوستی کا اندازہ آدمی خود کرتا ہے اور بعض مرتبہ بعض کی دوستی کا تعین دوسرے کے کہنے سے ہوتا اور اسی طرح کسی کی دشمنی کا تعین دوسرے کے کہنے سے ہوتا ہے اب جو اُس نے اپنے اندازے کے مطابق کسی کو دوست سمجھ لیا اور کسی کو دشمن، اس میں یہ بعض مرتبہ غلطی کر جاتا ہے اور کسی دوسرے کے تعین سے ایسا کیا تو اس میں بھی خطا کا احتمال ہے، پھر اگر واقعی یہ دوست ہو تو ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ دوست ہی رہے اور دشمن ہو تو ہمیشہ دشمن ہی رہے اس لئے امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" أَحْبِبْ حَبِيبَكَ هَوْنًا مَا، عَسَى أَنْ يَكُونَ بَغِيضَكَ يَوْمًا مَا، وَأَبْغِضْ بَغِيضَكَ هَوْنًا مَا، عَسَى أَنْ يَكُونَ حَبِيبَكَ يَوْمًا مَا "[1]

کہ بھائی اپنے دوست سے دوستی جو ہے وہ درمیانی درجے کی کرو، یہ نہیں کہ زندگی بھر کے سارے راز بتلا دیئے، ساری زندگی کی کتاب اس کے سامنے کھول کر رکھ دی، ایسا نہ کرنا عسی ان یکون بغیضك یوما ما ممکن ہے کہ کسی دن وہ تمہارا دشمن بن جائے، جب تم نے دوستی کے

---

[1] سنن الترمذی | أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . | بَابٌ : مَا جَاءَ فِي الِاقْتِصَادِ فِي الْحُبِّ وَالْبُغْضِ :
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - أُرَاهُ رَفَعَهُ - قَالَ : " أَحْبِبْ حَبِيبَكَ هَوْنًا مَا، عَسَى أَنْ يَكُونَ بَغِيضَكَ يَوْمًا مَا، وَأَبْغِضْ بَغِيضَكَ هَوْنًا مَا، عَسَى أَنْ يَكُونَ حَبِيبَكَ يَوْمًا مَا ".

زمانے میں سب کچھ بتا کے رکھا ہے اب اس کی اشاعت کرنے لگے اور ایسے ہی کسی سے دشمنی ہو تو اس دشمنی میں بھی اعتدال کے اندر رہنا حد سے آگے نہ بڑھنا کہ دشمنی کی ساری کسریں نکال کر رکھ دو عسٰی ان یکون حبیبك یوما ما ممکن ہے کہ کسی دن یہ دشمن تمہارا دوست بن جائے اب اس دوستی کے زمانے میں پھر وہ پرانی باتیں یاد آنی لگیں تو وہ باعث پریشانی ہوں، یہ تو ہے جن کی دوستی یا جن کی دشمنی کا تعین آدمی نے خود کرلیا، اپنے اندازے سے، اپنے تجربے سے اپنے علم کے مطابق یا کسی کے کہنے سے اور ایک یہ کہ خدائے وحدہ لاشریک جل مجدہ کسی کی دشمنی کا تعین کر دیں یا امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی دشمنی کا تعین کریں تو اس میں کوئی خلاف کا امکان نہیں دشمن ہے تو دشمن ہی ہے اور پھر اس کی دشمنی ہمیشہ کی دشمنی ہے وہ دو دشمن ہیں ایک کی دشمنی کا تعین قرآن مقدس میں جگہ جگہ فرمایا ہے ''إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ ''(فاطر: 6)(یقینا شیطان تمہارا دشمن ہے)'' فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ''(سو تم بھی اسے دشمن سمجھو) إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿البقرہ: 208﴾(وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے)اور اس کی دشمنی قیامت تک دوستی میں تبدیل ہو ہی نہیں سکتی اس نے تو دشمنی ہی کی قسم کھا رکھی ہے اسی دشمنی کیلئے تو اس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی کہ ''قَالَ أَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (الاعراف: 14) (کہا مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے) یعنی قیامت تک اور اللہ تعالیٰ نے بھی مہلت دیدی چونکہ بندوں کا امتحان کرنا تھا تو ایک کی دشمنی کا تعین قرآن مقدس نے کیا اور دوسرے کی دشمنی کا تعین امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " أَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ " اتمہارا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو تمہارے دونوں پہلوں کے درمیان ہے مراد ہے نفس اس کی دشمنی بھی ہمیشہ اور بڑا مضبوط دشمن ہے اس نفس دشمن کے مقابلے میں ہر کس و ناکس غالب نہیں آتا اکثر بیچارے پچھڑ جاتے ہیں اس لئے تو امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلوان اور شجاع (بہادر) وہ نہیں جو مد مقابل کو پچھاڑ دے بلکہ

---

[1] رواہ البیہقی فی "الزھد الکبیر "فَصْلٌ: فِي تَرْكِ الدُّنْيَا وَمُخَالَفَةِ النَّفْسِ...(2/29) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ".

پہلوان تو وہ ہے ''یملك نفسه عند الغضب''[1] کہ غصے کے وقت اپنے اس دشمن نفس کو قابو میں رکھے تو سب سے بڑا دشمن جو ہے وہ نفس ہے اسی لئے اس کی دشمنی چونکہ بہت حد درجے کی ہے اس کا مقابلہ کرنے والے کیلئے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ فرمایا: ''. وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ ''(اور لیکن جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا) ہمیشہ اس کو استحضار رہا کہ اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے ''وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ'' (النازعات: 40) (اور اس نے اپنے نفس کو بری خواہش سے روکا) اس نفس دشمن کو خواہشات نفس پر چلنے سے روکا اس کے غلط قسم کے مطالبات کو دباتا رہا، ٹھکراتا رہا'' فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ [النازعات :41]

(سو بیشک اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے)۔

دوسری جگہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله''[2]

بھائی حقیقی مجاہد تو وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرتا رہے اپنے نفس سے لڑتا رہے اپنے نفس کے مطالبات کو ٹھکراتا رہے بڑی کشتی ہے اس دشمن کے ساتھ۔ میں ایک مرتبہ کہہ رہا تھا اپنے ساتھیوں سے دوستوں سے کہ اگر میں ایک گھنٹے تک وعظ کروں کہ فلاں فلاں دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے تو شاید اسی فیصد سے بھی زیادہ تیار ہو جائیں، لیکن اگر نفس کی

---

[1]. صحیح البخاری | کِتَابٌ: الْأَدَبُ | بَابُ الْحَذَرِ مِنَ الْغَضَبِ:
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ

[2]. مسند أحمد | مُسْنَدُ الْأَنْصَارِ | مُسْنَدُ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ الْأَنْصَارِيِّ | الجزء رقم: 39، الصفحة رقم: 381 | رقم الحدیث: 23958:
حَدَّثَنِي فَضَالَةُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: "أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالْمُؤْمِنِ؟ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ، وَالْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللَّهِ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوبَ".
سنن الترمذی | أَبْوَابُ فَضَائِلِ الْجِهَادِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. | بَابٌ: مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ مَاتَ مُرَابِطًا.

دشمنی کیلئے گھنٹوں میں وعظ ہو، نفس کی دشمنی اور اس نفس کے ساتھ مقابلے کیلئے گھنٹوں کے وعظ سے مشکلاً اکا دکا اس کی دشمنی کیلئے تیار ہو جائیں، حالانکہ اس کے ساتھ ہر کسی کو مقابلہ کرنا ہے اور اسی پر نجات کا دارومدار ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرے دشمنوں سے دشمنی تھوڑی دیر کیلئے ہے اور ممکن ہے کہ ان کی دشمنی دوستی میں بدل جائے، لیکن اس کا کوئی بھروسہ نہیں اس لئے کہا ہے نا۔

بھروسہ کچھ نہیں اس نفس امارہ کا اے زاہد
فرشتہ بھی یہ ہو جائے تو اس سے بدگماں رہنا

یعنی اگر یہ نفس اتنا سدھر گیا کہ فرشتہ بن گیا پھر بھی اس پر بھروسہ مت کر جب اس کو موقعہ آئے گا اپنا وار کرلے گا جیسے کہ مولانا رومیؒ نے اس نفس کی دوشمنی کو سمجھانے کے لئے ایک واقعہ بیان کیا کہ کوئی چل رہا تھا دیکھا کہ ایک بڑا سانپ سردی میں ٹھٹھرا ہوا پکڑ کر لایا اس کو بستی کے اندر لایا یا شہر کے اندر لایا یا اپنا کمال ظاہر کرنے لگا کہ میں نے سانپ کو پکڑ لیا اور سارے لوگ دیکھنے لگیں لیکن جوں ہی دھوپ نکل گئی اور تھوڑی سی تیز ہونے لگی اور اس کو حرارت ملنے لگی اب جو سانپ نے حرکت کرنا شروع کرلیا تماشائی تو بعد میں بھاگے اور وہ جو دعویٰ کرنے والا تھا کہ میرے اندر یہ کمال ہے کہ میں نے سانپ کو پکڑا وہ سب سے پہلے بھاگا فرمایا یہی حال نفس کا ہے، کبھی یہ ماحول وغیرہ کے اثر سے ایسا مغلوب ہو جاتا ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ اب تو بس مکمل نفس مطمئنہ بن گیا اب گناہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ نفس جو شریر ہے وہ موقعے کی تلاش میں تھا کرلیا اپنا وار اور کارگر ہو گیا کہ وہ (انسان) بے خبر تھا آدمی چوکنا رہے اور ادھر سے دشمن وار کرے تو بچنے کا امکان ہے لیکن آدمی جب بے خبر ہو اور بے خبری میں دشمنی کرے تو ایسی صورت میں بچنا مشکل ہے یہ نفس ہمیشہ تاک میں رہتا ہے اسی لئے خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے نفس کے بارے میں فرمایا:

نہ چت کرسکے نفس کے پہلوان کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے

نفس جو تمہارا ہے یہ پہلوان ہے اس سے تم لڑتے رہو چاہے تم اس کو چت بھی نہ کرلو تو یہ بھی نہ کرو کہ ہاتھ پیر ڈھیلے ڈال کر اس کے سامنے ہتھیار ڈال دو، بلکہ مقابلہ کرتے رہو چاہے غالب نہ

آجاؤ،تم ڈٹے رہو، جمے رہو، جب تک تم ڈٹے رہو گے، جمے رہو گے،تو تم کو ہارا ہوا نہ مانا جائے گا۔آدمی دشمن کا مقابلہ کررہا ہے، جنگ چل رہی ہے، مدمقابل کے کتنے بھی لوگ زخمی ہو جائیں مرجائیں لیکن چل رہی ہے جنگ اس وقت تک کسی مقابل کو ہارا ہوا نہیں مانا جاتا ہار جب مانی جائے گی جب ایک مدمقابل دوسرے مدمقابل کے سامنے ہتھیار ڈالدے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کردے اب کہیں گے اس کی تو ہار ہوگئی اور فلاں جیت گیا،لہٰذا اگر اس نفس کا مقابلہ کرتا رہا کرتا رہا جب بھی نفس کو موقع مل گیا تو اس نے وار کیا اور یہ پھر سنبھل گیا پھر سنبھل گیا ٹھیک ہے کرلیا اس نے وار اب اسکا تھوڑا یہ مطلب ہے کہ اب اس کو جو چاہے کرے ٹانگ کاٹے پیر کاٹے گردن کاٹے ایسا نہیں بلکہ فوراً سنبھل جاؤ اور پھر لڑنا شروع کردو۔

ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی تو دبالے کبھی وہ دبالے

یہ اپنی دشمنی میں کمزور نہیں ہوتا اور اس کی دشمنی دوستی میں تبدیل نہیں ہوتی جب مقابلہ ہے تو دشمن کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو بعض مرتبہ اسکا وار لگ جاتا ہے گر گیا لیکن پھر سنبھل جاتا ہے اگر موت کے وقت تک بھی اس پر غالب نہ آسکے تب بھی لڑتا رہا لڑتا رہا مقابلہ جاری رہا تو انشاء اللہ یہ ہارا ہوا نہیں مانا جائے گا ہارا ہوا جب مانا جائے گا جب اس کے سامنے مکمل ہتھیار ڈال دیئے اور اس نفس کی غلامی اختیار کرلی اپنے آپ کو نفس کے حوالے کردیا تو غرض یہ ہے کہ نفس اور شیطان ایسے دشمن ہیں کہ جن کی دشمنی منصوص ہے باقی کسی کی دشمنی منصوص نہیں کفار وغیرہ کی دشمنی منصوص ہے لیکن کسی ایک فرد کا تعین نہیں مجموعی طور پر لیکن نفس اور شیطان ان کی دشمنی منصوص ہے اور ہر آدمی کا اپنا نفس متعین ہے کہ تمہاری دشمنی تمہارے نفس سے ہے اور اس سے تمہاری دشمنی ہمیشہ ہے اس کے مقابلے میں ہمیشہ ہتھیار بستہ رہنا ہمیشہ اس کے داؤ پیچ سے بچنے کی کوشش کرنا یہ ہر وقت تاک میں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

اَصۡحَابُ الۡیَمِیۡنِ وَاَصۡحَابُ الشِّمَال اور بندۂ مؤمن کی فکر

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ۔ اَمَّا بَعۡدُ:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوطرح کے لوگوں کے بارے میں قطعی فیصلہ فرمایا ہے، ایک ہیں ابرار اور ایک ہیں فجار۔ مومن کے بارے میں تاکید کے ساتھ قطعی فیصلہ فرمایا:

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ (13) (بیشک نیک لوگ نعمت میں ہوں گے)

وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ (14) [الإنفطار: 13-14] (اور بیشک نافرمان دوزخ میں ہوں گے)

اب رہے بیچ کے لوگ، یعنی نفس ایمان تو ہے لیکن نفس ایمان کے ساتھ جو ایمان کے تقاضے ہیں پورے کرنے کے لئے کماحقہ کوشش نہیں کرتے، تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، تو ان جرائم، گناہوں کی وجہ سے اس نے توحید اور رسالت اور دوسری ایمانیات کے باوجود جن کا ارتکاب کیا ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو ان پر سزا دیں اور پوری سزا بھگتنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہو پھر جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچا دیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ بھی اختیار ہے کہ اپنی قدرت اور رحمت سے معاف فرما کر سزا کے بغیر ہی جنت میں بھیج دیں، " فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ [البقرة: 284] (جس کو چاہے بخشے گا اور جسے چاہے عذاب کرے گا)، لیکن قطعی فیصلہ جو جنت میں جانے کے لئے ہے وہ ابرار کے لئے ہے، اور قطعی فیصلہ جو جہنم میں جانے کے لئے ہے وہ فجار کے واسطے ہے، اس لئے ہر مومن بندے کے ذمہ لازم ہے کہ اپنے کو ابرار اور نیکو کاروں کی صف میں شامل

کرنے کی کوشش کرے اور جتنا بندے کے بس میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے مکلف ہی بنایا ہے اس کا جتنا بندے کے بس میں ہے، جو کچھ بندے کے بس سے باہر ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا مکلف ہی نہیں بنایا، لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (اللہ کسی کو اس کی طاقت کے سوا تکلیف نہیں دیتا) یعنی اللہ تعالیٰ نہیں مکلف بناتا کسی بھی بندے کو مگر اسی چیز کا جو اس کے بس میں ہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا عمل کسی بھی بندے پر لازم اور ضروری نہیں کیا جس کو بندے کر ہی نہیں سکتے۔ اور نہ کسی ایسے کام سے بچنے کا اللہ تعالیٰ نے مکلف بنایا جس سے بندہ بچ ہی نہیں سکتا ہو، بلکہ اللہ نے مکلف ہی بنایا ان اعمال کا جن کو ہر بندہ کر سکتا ہے اور منع کیا ان ہی کاموں سے جن سے ہر بندہ بچ سکتا ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ کرنے کے کاموں میں ابتدا کے اندر آدمی کو عادت بننے سے اور مزاج بننے سے پہلے اور اعمال صالحہ کے ساتھ کماحقہ مناسبت سے پہلے اعمال کے اوپر کھڑا ہونے میں پہلے مجاہدہ کا معاملہ کرنا پڑے گا اور نفس کی مخالفت کرنی پڑے گی نفس جلدی آمادہ نہیں ہوگا لیکن آہستہ آہستہ آہستہ آہستہ اس کو عادت پڑے گی جب بندۂ مومن کو اعمال صالحہ کے ساتھ مناسبت ہو جائے گی، نماز کے ساتھ مناسبت، تلاوت کے ساتھ اور دوسرے اعمال صالحہ کے ساتھ مناسبت، اب وہ جو مشقت تھی وہ مشقت اب دور ہو گی بلکہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ مشقت جو تھی وہ راحت میں تبدیل ہو گی۔ پہلے پہلے تو اس کو نمازوں کی پابندی میں مشقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور اب نمازوں کی پابندی میں عجیب وغریب راحت ملے گی، اسی طرح سے ابتداء کے اندر گناہوں سے بچنے میں بندے کو مشقت کا مظاہرہ کرنا پڑے گا، نفس کی مخالفت، آدمی کا جی بہت چاہے گا مختلف قسم کے گناہوں کے کرنے کا لیکن بندہ اس نفس کو روکتا رہے روکتا رہے، جب بندے کے اندر ایک مزاج اور دینِ حق کے ساتھ مناسبت پیدا ہو گی پھر گناہوں سے بچنا اس قدر دشوار نہیں رہے گا یہ تو نہیں...... کہ گناہ کا تقاضہ ہی نہیں ہوگا گناہ کا تقاضہ تو ہوگا لیکن اس تقاضے کے لئے دبانا اس کو آسان ہو جائے گا۔

لیکن یہ سب کچھ اس آدمی کے لئے جو سنورنے کا ارادہ رکھتا ہو اسی لئے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ فرعون کے پاس جا کر کیا کہے "فَقُلْ هَل لَّكَ إِلَىٰٓ أَن تَزَكَّىٰ [النازعات: 18] (پس کہو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو) تمہارا تزکیہ ہو جائے اور تم بغاوت

کے جرم سے باز آجاؤ، لیکن اسکو اس کا ارادہ ہی نہیں تھا، تو سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم الشان پیغمبر جن کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا'' اللہ کے یہاں بڑے ہی باوجاہت تھے اور تنہا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی نہیں تھے بلکہ دو دو پیغمبر تھے (یعنی حضرت ہارون علیہ السلام بھی تھے) لیکن وہ چاہتا ہی نہیں تھا سدھرنا، اس لئے دو عظیم الشان پیغمبروں کا محض اس کے پاس اس غرض سے تشریف لانا کہ وہ سمجھ جائے لیکن نہیں سمجھا، بلکہ اپنی بغاوت اور اپنی سرکشی میں اور آگے بڑھا۔

اس لئے بندہ کے پاس طلب ہونی چاہئے، تو پھر اللہ پاک اس کے لئے ہدایت کے راستوں کو آسان فرمائیں گا، اسے پتہ ہی نہیں چلے گا کہ ہدایت کے راستہ کیسے کھل گئے، لیکن شرط یہ ہے کہ بندہ کے اندر ہدایت پر آنے کی طلب ہو، زندگی بھر نفس کا غلام نہ بنا رہے۔ اس لئے کہ قیامت کا معاملہ، میدان محشر کا معاملہ جو ہے جہاں کوئی کسی کے کام آئے گا ہی نہیں، ''يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا'' [الإنفطار : 19] (جس دن کوئی کسی کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے گا) یعنی کوئی بھی...... کسی کے بھی...... کچھ بھی...... کام نہیں آئے گا "وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ (اور اس دن اللہ ہی کا حکم ہوگا) یعنی سارا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہوگا، کسی کے بس میں کچھ ہے ہی نہیں...... اختیار تو اب بھی اللہ ہی کو ہے، کسی کے بس میں کچھ نہیں ہے، لیکن ظاہری اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کا ایک نظام بنا کر رکھا ہے اور ظاہراً بہت سے بندوں کو بہت سے اختیارات ہوتے ہیں لیکن آخرت میں سارے اختیارات ظاہراً بھی ہر اعتبار سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہونگے۔

اس لئے ہر بندہ کو چاہئے کہ اپنے آپ کو ابرار میں شامل کرنے کی فکر کرے اور خدانخواستہ فجار بنے، اس سے آدمی کوسوں دور بھاگے، اور بیچ بیچ میں بھی نہ رہے، مومن بندہ کو داہنی والی صف (ابرار کی صف) میں آنے کی فکر کرنی چاہئے اور آدمی جب فکر کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ابرار میں شامل فرمادے اور فجار میں شامل ہونے سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ (آمین)

اللہ دیکھ رہا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ:

دین کی بات کا اثر مومن بندے کے دل پر ہونا چاہئے، صرف کانوں کی حد تک محدود نہ رہے، اگر دل پر اثر کرنے کی نیت سے مومن بندہ دین کی بات سنے گا اور عمل کی نیت کے ساتھ سنے گا تو ان شاء اللہ اس کے اثرات ضرور ظاہر ہوجائیں گے کیونکہ قرآن نے ارشاد فرمایا: ''وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ [الذاریات: 55] (اور نصیحت کرتے رہیئے بیشک ایمان والوں کو نصیحت نفع دیتی ہے) ایک اولاد کو جب اس بات کا استحضار ہو کہ میرے والدین مجھے دیکھ رہے ہیں تو پھر وہ کسی کام کے اندر غفلت اور سستی نہیں کریگا اور کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جو اس کے والدین کو ناگوار گذرے یا جس سے والدین کو تکلیف ہو، شاگرد کو اگر یہ ذہن کے اندر ہو کہ میرا استاد مجھے دیکھ رہا ہے تو پھر اس کی ہمت نہیں ہوتی کہ درجے (class) میں بیٹھ کر کوئی گڑبڑ کرے، ماتحت کو جب یہ احساس ہو کہ میرا ذمہ دار مجھے دیکھ رہا ہے وہ کسی وقت آسکتا ہے تو وہ چوکنا رہتا ہے۔

معلوم ہوا کہ نگرانی کا اثر پڑتا ہے والدین کی نگرانی کا اولاد پر، استاد کی نگرانی کا شاگرد پر، ذمہ دار کی نگرانی کا ماتحتوں پر، لیکن ہم سب کے مشترکہ نگران اور سب سے بڑے نگراں جن کی نگرانی میں ہم ہمہ وقت رہتے ہیں، اس نگرانی کا جو ہمارے دلوں پر اثر ہونا چاہئے وہ بہت کم نظر آتا ہے ایسا نظر آتا ہے کہ گویا کہ نعوذ باللہ...... یقین ہی نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے،

"أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ [العلق : 14] (تو کیا وہ (انسان) نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟) لیکن اس کے طرزِ عمل سے ایسا لگتا ہے کہ خدانخواستہ اس کو یقین نہیں ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے، اگر اس کو یقین ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے (اور مومن کو یقین ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے) تو پھر ماں باپ کی نگرانی استاد کی نگرانی، ذمہ دار کی نگرانی کی ضرورت ہی نہ پڑنی چاہئے، ماں باپ کو اس بات کا یقین ہو کہ میری اولاد کو اس بات کا پختہ یقین ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے اور انکے دل میں بات بیٹھ چکی ہے، ان کے دل میں اس کا اثر آچکا ہے، اب ماں باپ کو اطمینان رہے گا کہ میری اولاد کو نگرانی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

استاد کو اپنے شاگردوں کے بارے میں یقین ہو اس انداز کے طلباء ہوں کہ میرے شاگرد ایسے بن چکے ہیں کہ انہیں اس بات کا یقین ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے اور اس یقین کا ان پر اثر ہے، ماتحتوں کے بارے میں ذمہ دار کا یہ معاملہ ہو کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے یقین "أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ" یعنی اللہ کے دیکھنے کا اور کیفیت احسان کا اس قدر غلبہ اور اثر ہے کہ انہیں مزید کسی نگرانی کی ضرورت نہیں، لیکن دیکھنے میں بالکل برعکس نظر آتا ہے، جوں ہی ماں باپ کی نظر پڑ گئی اولاد ذرا سنبھل گئے، جوں ہی استاد کی نظر پڑھ گئی شاگرد سنبھل گیا، جوں ہی ذمہ دار کی نظر پڑ گئی ماتحت سنبھل گیا، لیکن اللہ کی نظر جو ہر وقت پڑتی رہتی ہے، اس قدر اس کا یقین ہی نہیں، حالانکہ اس کا اس درجہ یقین ہو کہ گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں اسی لئے تو احسان کے بارے میں فرمایا "اَنْ تَعْبُدَاللّٰہ کَاَنَّکَ تراہُ"[1] ایسے رہو گویا کہ اس کو (یعنی اللہ کو) دیکھ رہے ہو، ظاہر ہے وہ تم کو دیکھ رہا ہے اس کا یقین اس درجے کا ہو،

---

[1] صحیح بخاری --- كتاب التفسير --- باب قوله: {إن الله عنده علم الساعة}: [صحیح بخاری]
رقم الحديث: 4777 --- حدثنى إسحاق عن جرير عن ابى حيان عن ابى زرعة عن ابى هريرة رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوما بارزا للناس إذ اتاه رجل يمشى فقال: يا رسول الله ما الإيمان؟ قال: الإيمان ان تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله ولقائه وتؤمن بالبعث الآخر قال: يا رسول الله ما الإسلام؟ قال: الإسلام ان تعبد الله ولا تشرك به شيئا وتقيم الصلاة وتؤتى الزكاة المفروضة وتصوم رمضان قال: يا رسول الله ما الإحسان؟ قال: الإحسان ان تعبد الله كانك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك قال: يا رسول الله متى الساعة؟ قال: ما المسئول عنها باعلم من السائل ولكن ساحدثك عن اشراطها: إذا ولدت المراة ربتها فذاك من اشراطها وإذا كان الحفاة العراة رءوس الناس فذاك من اشراطها فى خمس لا يعلمهن إلا الله: إن الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم ما فى الارحام سورة لقمان آية 34 ثم انصرف الرجل فقال: ردوا على فاخذوا ليردوا فلم يروا شيئا فقال: هذا جبريل جاء ليعلم الناس دينهم.

اس درجے کا ہو کہ گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اس یقین کا اور اس کیفیت احسانی کا بالکل (الا ماشاء اللہ) فقدان ہے، اگر یہ کیفیت حاصل ہو جائے تو پھر ہماری زندگیوں کا رخ بدل جائے گا، اس چکر میں پڑیں گے ہی نہیں کہ ذرا ذمہ دار ادھر ادھر ہٹ گیا ہم کو گپ شپ کا موقع ملے، ذرا والدین کی نظر ہٹ گئی اولاد بے مہار ہو گئی، ذرا استاد ادھر ادھر ہو گیا طلباء بے مہار ہو گئے، یہ سارا کا سارا فساد جو ہے دل کے اثر قبول نہ کرنے کا ہے اسی لئے تو کسی نے تو کیا خوب کہا ہے:

علم گر در تن زنی مارے بود

اگر علم کا اثر دل پر نہیں ہے بس زبان تک کا معاملہ ہے اس کو آدمی دنیوی روزگار کا ذریعہ بنائے تو مار بود پھر تو وہ سانپ ہے مگر:

علم گر بر دل زنی یارے بود[1]

اور اگر علم کا اثر تمہارے دل پر ہو تو علم تمہارا یار اور ایسا مددگار ہے کہ ہر وقت تمہاری مدد کرے ہر وقت اس کا فائدہ تمہیں محسوس ہوتا رہتا ہے جو قرآن کی آیت میں اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ''اَلَمۡ یَعۡلَمۡ بِأَنَّ اللّٰہَ یَرٰی'' کیا نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ جب جانتا ہے تو پھر یہ حرکت کیسی؟ یہ نگران ہٹ گیا ذمہ دار ہٹ گیا، اب یہ جو کام ہے اس میں غفلت کیسی؟ ذمہ دار نگرانی کرے نہ کرے، تمہارا محاسبہ کرے نہ کرے، ماں باپ تمہارا محاسبہ کریں نہ کریں، استاد تمہارا محاسبہ کرے یا نہ کرے، لیکن اللہ تعالیٰ کا محاسبہ یقینی ہے، پھر کسی کام میں سستی نہیں ہونی چاہیے باوجود اس کے کہ بار بار قرآن کی اس آیت کو پڑھتا ہے:

وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ○ اَلَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ ○ وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ ○ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ○ لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ○ [المطففین: 1-5]

ویل ہے تباہی ہے بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے کہ جب وصول

---

[1] (علامہ اقبال)

کرنے کا موقعہ آئے تو پورا پورا اور دینے کا موقع آئے تو کمی کے ساتھ ''اَلَا یَظُنُّ'' دیکھو اس کو یقین نہیں ''اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ'' انہیں اُٹھایا جائے گا ''لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ'' ایک بڑے دن کو رب العالمین کے سامنے، لیکن اس آیت کو پڑھا اس آیت کو سنا اس کا مفہوم ذہن میں ہے یہ صرف ناپ تول کا معاملہ نہیں، یہ تو ہر مجوزہ اور محولہ ذمہ داری کا معاملہ ہے کہ جو کام میرے ذمے ہے وہ تو میں ادھورا کروں اس میں تو وقت کی رعایت نہ کروں اور جب لینے کا موقع آجائے پورا پورا لوں یہ بھی تو اس آیت کے مفہوم کے اندر شامل ہے۔

بہر حال اصل میں مومن بندہ جب بھی دین کی بات سنے دل پر اثر کو قبول کرنے کی نیت سے سنے عمل کی نیت سے سنے قرآن کا ارشاد ہے:

''فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ [المرسلات:50]

(پس اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے)

یعنی قرآن کے بعد کون سی ایسی بات ہے جس پر تم کو یقین آئے اور اس کا تمہارے اوپر اثر ہو اللہ بار بار ہم کو متنبہ فرماتے ہیں آگاہ فرماتے ہیں، مومن بندہ اپنے بارے میں سوچے اور بار بار سوچے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ میری غفلت کو بھی دور کرے اور آپ حضرات کی غفلت کو بھی دور کرے۔

(آمین)

*****

نہ کوئی راہ پا جائے نہ کوئی غیر آ جائے
حریم دل کا احمدؔ اپنے ہر دم پاسباں رہنا

کتابِ زندگی...... بار بار پڑھو

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ:

دنیا کے اندر عام طور سے جو متعارف شخصیات ہوتی ہیں، یعنی جس نے کوئی کارنامہ انجام دیا ہوتا ہے، چاہے دنیاوی اعتبار سے یا دینی اعتبار سے، عام طور پر ان کی سوانح زندگی اور ان کی حالات زندگی پر کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ لیکن یہ ہر آدمی کے لئے نہیں صرف خاص شخصیات کیلئے ایسا ہوتا ہے۔ اور سوانح حیات لکھنے والے اکثر و بیشتر ان کے اچھے اوصاف ہی کو اجاگر کرتے ہیں اور کوئی بھی سوانح حیات ایسی نہیں ہوتی جس میں پوری زندگی اور پوری زندگی کے سارے احوال کا احاطہ کیا گیا ہو (سوائے خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے)۔

لیکن خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف سے ہر بندے اور ہر بندی کی جو سوانح حیات لکھنے کا نظام اور بندوں کے سوانح حیات مرتب کرنے کا سسٹم ہے وہ بہت ہی مستحکم ہے، بہت مضبوط اور ہر کسی کی سوانح حیات لکھی جا رہی ہے۔ جو اس وقت دنیا میں موجود ہے ان کی لکھی جا رہی ہے اور جو چلے گئے ہیں ان کی لکھی جا چکی اور بند کی جا چکی اور جو آئندہ آئیں گے تو ان کی سوانح حیات لکھی جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سوانح حیات اور حالات زندگی پر کتاب مرتب کی جا رہی ہے اس میں کسی بھی چیز کو چھوڑا نہیں جاتا، ہاں تین طرح کے لوگوں کی سوانح حیات نہیں لکھی جاتی ہے۔ فرمایا "رُفع القلم عن الثلث"[1] تین طرح کے لوگ مرفوع القلم ہیں ان کا کچھ نہیں لکھا جاتا، چھوٹا بچہ، سونے والا اور مجنون (دیوانہ)۔

---

[1] سنن أبي داود | أَوَّلُ كِتَابِ الْحُدُودِ | بَابٌ: فِي الْمَجْنُونِ يَسْرِقُ أَوْ يُصِيبُ حَدًّا:
عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الْمُبْتَلَى حَتَّى يَبْرَأَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَكْبَرَ".

لیکن ان کے علاوہ جتنے بھی لوگ ہیں ہر کسی کی سوانح حیات مرتب کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کی سوانح حیات مرتب کرنے کے لئے ہر کسی کے ساتھ دو فرشتے ''کراماً کاتبین''، مخصوص لگا رکھے ہیں، ان کا کوئی اور کام نہیں ہے بس ان کا کام ہی ہے ہر بندے کی سوانح حیات کو مرتب کرنا۔ جب بندہ یہاں سے (یعنی اس دنیا سے) چلا جاتا ہے تو اس کی وہ سوانح حیات پر مشتمل کتاب بند کر دی جاتی ہیں۔ اب قیامت ہی کے دن اس کو یہ کہہ کر وہ سوانح حیات پیش کی جائے گی کہ ''اِقْرَأْ كِتَابَكَ'' پڑھو اپنی کتاب، پڑھو اپنی سوانح حیات اور پڑھو اپنے حالات زندگی پر مشتمل کتاب ''كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا [الإسراء: 14] آج اپنا حساب لینے کے لیے تو (خود) ہی کافی ہے۔

ہاں...... اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو موقع دیا ہے کہ اس دنیا سے جانے سے پہلے پہلے جس طرح جلد ہو اپنے اس سوانح حیات کے اوراق کو پلٹ پلٹ کر دیکھو اور ہر مضمون کو، ہر چیپٹر (chapter) کو الگ الگ دیکھو، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاقیات وغیرہ سب مضامین کو دیکھو اور پڑھو، تصور کے عالم میں اپنی سوانح حیات کو پڑھ لو۔ اگر تمہیں اس میں کچھ ایسی چیز نظر آئے کہ جس کو پڑھ کر تمہیں کل رسوائی اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے اور جس کے بارے میں تم کل (قیامت کے روز) یوں چاہو گے کہ کاش کہ یہ چیز میری اس سوانح حیات میں درج نہ ہوتی تو اسکو مٹا دو۔ ہم تمہیں موقع دیتے ہیں (کما یفھم من الایات و الاحادیث) لیکن یہ موقع بس دنیاوی زندگی میں ہے اور نہ معلوم کس کا موقع کس وقت ختم ہو جائے۔ اس میں انتظار نہیں، بس پہلے ہی فرصت میں اپنی اس سوانح حیات اور اپنے حالات زندگی پر مشتمل کتاب کی ان خامیوں کو ہمارے بارگاہ میں درخواست پیش کر کے مٹاؤ، لیکن شرط ہے کہ وہ درخواست بالکل ندامت کے ساتھ، شرمندگی کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں معافی کے مضمون پر مشتمل ہو اور اس عہد کے اوپر مشتمل ہو کہ پروردگار آئندہ میں ایسا جرم اپنی اس سوانح حیات میں درج نہیں ہونے دوں گا، ایسا کوئی عمل نہیں کروں گا جو کل میرے لئے رسوائی اور شرمندگی کا باعث بنے۔ تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ان اعمال کو، ان گناہوں کو، ان جرائم کو اور ان حرکات کو، جن کو تم قیامت

کے دن میدان محشر میں اپنے اعمال نامہ میں دیکھنا پسند نہیں کرتے ہو، ہم ذمہ داری لیتے ہیں کہ ہم ان کو مٹا دیں گے۔ اور مٹانے کے بعد اس جگہ کو بھی خالی نہیں رکھیں گے، بلکہ اس کی جگہ اس توبہ اور استغفار کی نیکی کو درج کریں گے۔ اللہ کے نبی (ﷺ) نے فرمایا: ''وہ بندہ بڑا ہی خوش نصیب ہے جس کی سوانح حیات میں اور جس کے حالات زندگی پر مشتمل کتاب میں معافی کی درخواستیں بہت زیادہ ہو''۔ فرمایا ''طُوْبیٰ'' مبارک باد ہو خوشخبری ہو، کس کے لئے؟ ''لِمَنْ يَجِدُ فِيْ صَحِيْفَتِهِ اِسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا''[1] جو کل قیامت کے روز اپنی اس سوانح حیات میں کثرت کے ساتھ استغفار، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے پر مشتمل درخواستیں پائے۔

لیکن عام طور پر ہم میں سے ہر کس و ناکس کسی نہ کسی درجہ میں اپنی سوانح حیات کی ورق گردانی کی طرف دھیان نہیں دیتا، توجہ نہیں دیتا، جب کہ اللہ کا حکم ہے ''يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰه'' اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو'' وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ'' اور ہر شخص دیکھ لے کہ کل (قیامت) کے واسطہ اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے۔ اپنی اس سوانح حیات اور اپنے حالات زندگی پر مشتمل کتاب میں کیا کچھ درج کروا رکھا ہے۔

ابھی قرآن پاک کی آیات (نماز فجر میں) پڑھی گئیں، ان میں یہی تو ہے کہ ''وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ'' اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں گے صحیفہ سے مراد یہی سوانح حیات، آگے کیا ہوگا؟ فرمایا: ''عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ'' ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا جو لے کر آیا ہے۔

کتنے ہی خوش نصیب ہیں وہ بندے جنہوں نے اپنی دنیا کی زندگی کے اندر اپنی سوانح حیات کے اوراق کو بار بار پڑھا، جہاں کوئی خامی عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاقیات میں نظر آئی فوراً ندامت و شرمندگی اور استغفار اور آئندہ نہ کرنے کے پکے عہد کے

---

[1]. سنن ابن ماجه | كِتَابُ الْأَدَبِ | بَابٌ: الِاسْتِغْفَارُ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ بُسْرٍ يَقُوْلُ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "طُوبَى لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيفَتِهِ اسْتِغْفَارًا كَثِيرًا".
شعب الإيمان للبيهقي عَن عائشةَ رضي الله عنها.

ساتھ اپنی درخواست پیش کی اور جب کل قیامت کے دن ان کی سوانح حیات پیش کی جائے گی تو اس سوانح حیات کو دا ھنے ہاتھ میں دیکھتے ہی بڑے ہی خوش وخرم ہونگے اور دوسروں کو کہیں گے کہ ''هَاؤُمُ اقْرَؤُا كِتٰبِيَه'' کہ میرا نامہ اعمال پڑھو۔

اور اس کے برعکس جنہوں نے اس دنیاوی زندگی کے اندر بس غفلت کا مظاہرہ کیا، کوئی توجہ نہیں کی یہاں تک کہ موت کا فرشتہ آیا موقع ہاتھ سے نکل جانے کے بعد کوئی فائدہ نہیں......اور چلتے چلتے فرعون نے بھی کہا تھا، اِنِّي تُبْتُ الْـٰٔنَ یا اللہ اب توبہ کرتا ہو، لیکن کہا اس وقت (جب موقع ہاتھ سے نکل چکا) اللہ نے پہلے ہی فرمایا تھا کہ ''وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ'' اور ایسے لوگوں کی توبہ نہیں ''لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَات'' جو گناہ کرتے رہتے ہیں ''حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ'' یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آ پہنچی، اب یہ کہتا ہے ''قَالَ اِنِّي تُبْتُ الْـٰٔنَ'' اب میں توبہ کرتا ہوں، لیکن اس سے اس کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔

تو جس نے اس طرح غفلت کی زندگی گزاری ہوگی جو نہی اس کو اس کی کتاب زندگی اور سوانح حیات پیش کی جائے گی، تو کیا کہے گا؟ ''يٰلَيْتَنِي لَمْ اُوْتَ كِتَابِيَه'' کیا اچھا ہوتا کہ مجھے کو میرا نامۂ عمل ہی نہ ملتا ''وَلَمْ اَدْرِ مَاحِسَابِيَه'' اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا احساب کیا ہے۔

لہٰذا ہم میں ہر ایک اپنی سوانح حیات اور اپنی حالات زندگی پر مشتمل کتاب کو پڑھا کرے اور بار بار پڑھا کرے اس سے پہلے کہ قیامت کے دن اور میدان محشر میں ہم کو پڑھنے کے لئے دی جائے۔ اسی لئے کہا گیا: ''حاسِبُوا قبلَ اَنْ تُحَاسَبُوا'' اپنا محاسبہ کیا کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

اللہ تعالی مجھے بھی عمل کی توفیق عطا فرمائیں، آپ حضرات کو بھی اور ساری اُمت کو بھی

(آمین)

* * * * *

مقصدزندگی کو سمجھو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم۔ اَمَّا بَعْد:

دنیا کے اندر ہر آدمی دن بہ دن ترقی کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ مال والا مال کے اعتبار سے دن بہ دن بڑھتا جائے، عہدے والا عہدے کے اعتبار سے دن بہ دن بڑھتا جائے، شہرت کا طالب اس فکر میں کہ دن بہ دن میری شہرت زیادہ ہوتی رہے وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ یہ ساری چیزیں فانی ہے ان چیزوں کی شریعت نے اجازت تو دی ہے لیکن شریعت کے حدود کی رعایت رکھنی ضروری ہے۔ لیکن ہمیں سب سے زیادہ فکر جس چیز کے بڑھانے کی ہونی چاہئے وہ کما حقہ نہیں کررہے ہیں ۔ مال کے ساتھ تعلق دن بہ دن بڑھتا جائے، دکان کے ساتھ، تجارت کے ساتھ، مکان کے ساتھ، اپنے دوستوں کے ساتھ لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق دن بہ دن بڑھتا رہے اس کی فکر نہیں (اگر ہے بھی تو بہت کم)۔ حالانکہ سب سے عظیم عطیہ اور سب سے بڑی نعمت یہی ہے کہ بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی طرف دن بہ دن بڑھتا رہے۔

اور ہر چیز کے لئے کوششیں ہوتی ہے، مکان وجود میں آنے کے لئے، مکان بننے کے لئے، تجارت بڑھنے کیلئے یا کسی بھی چیز کو بڑھاوا دینے کیلئے آدمی کو محنت کرنی پڑتی ہے۔ اور بہت سے مواقع پر آدمی کو اپنا آرام چھوڑنا پڑتا ہے۔ کتنے ہمارے یہاں کشمیر کے دوسرے مما لک میں یا دوسرے ریاستوں کے اندر گرمیاں اور سردیاں اور نہ معلوم کیا کیا برداشت کرتے ہیں، تاکہ مال بڑھ جائے، عزت بڑھ جائے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا تعلق بڑھے اس کے لئے

آدمی چلنے کے لئے تیار ہی نہیں۔ حالانکہ وہ سب چیزیں فانی ہے اور تعلق مع اللہ وہ عظیم نعمت جو ہمیشہ ساتھ دینے والی ہے، ہمیشہ کام آنے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا تعلق کیسے بڑھے؟

اس میں بہت زیادہ عمل کا دخل ہے راتوں کے اُٹھنے کا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کو حکم دیا:

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ قُمِ الَّیْلَ [المزمل: 1-2] (اے کپڑوں میں لپٹنے والے، رات کو (نماز) میں کھڑے رہا کرو)۔

اور اس کا وقت بھی اللہ پاک نے خود متعین کیا۔ نِصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا۔ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ (نصف رات یا اس نصف سے کسی قدر کم کرو۔ یا نصف سے کچھ بڑھا دو)

لیکن اُٹھا کریں اور کریں کیا؟

دو کام بتائے۔ ایک تو فرمایا: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا [المزمل: 4] (اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو) یعنی نمازوں کے اندر تہجد کے اندر۔

اور دوسرا کیا فرمایا؟

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا (اور اپنے رب کا نام لیا کرو اور سب سے الگ ہو کر اسی کی طرف آجاؤ)۔ اسی لئے صحابہؓ کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تلاوت کا اصل وقت جو متعین تھا وہ راتوں کا تھا۔

اسی لئے آگے اللہ پاک کا ارشاد ہے:

اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ [المزمل 20]۔ (آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے کچھ لوگ رات کی دو تہائی اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات کھڑے رہتے ہیں)

تو اصل تلاوت کا وقت راتوں کا ہے، لیکن ہمیں اُٹھنے کی توفیق کم ہوتی ہے۔ آخری تہائی

رات کے اندر اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر تجلی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزانہ اعلان ہوتا ہے، **ھل من سائل**: ہے کوئی مانگنے والا میں اس کو دوں، ہے کوئی اپنے گناہوں کی معافی چاہنے والا میں اس کو معاف کر دوں۔ ہمیں تہجد تو کجا فجر کے لئے بھی اُٹھنا مشکل ہوتا ہے، رکعتیں چھوٹ جاتی ہیں، اہل وعیال سویا ہوا پڑا رہتا ہے۔

تو غرض یہ ہے سب سے زیادہ جس چیز کی فکر ہونی چاہئے وہ تعلق مع اللہ۔ جب بندہ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی بڑھتا ہے اور بندے کو محسوس ہوتا ہے۔

اللہ پاک خود فرماتے ہیں ''فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ'' [البقرۃ- 152] تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، مجمع میں یاد کرو گے میں تمہیں اس سے اچھے مجمع میں فرشتوں کے یہاں تمہارے تذکرے کرونگا، دل میں یاد کرو گے میں تمہیں اپنے جی میں یاد کروں گا، جیسے اس کی شایان شان ہے۔ لیکن عام طور پر اس کی فکر نہیں کہ راتوں کی تلاوت اور اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اتنی اہم ترین چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کے لئے کثرت کا حکم دیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا (اے ایمان والو! اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرو) تھوڑا نہیں، بلکہ یہ فرمایا تھوڑا تو منافقوں کا کام ہے **وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا** [النساء: 142] (اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر بہت ہی مختصر) مسلمان کی یہ شان نہیں۔

اسلئے اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ مومن مردوں اور مومن خواتین کے جو اوصاف بیان کئے:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ [الأحزاب: 35]

(بیشک اللہ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں اور ایمان دار مردوں اور ایماندار عورتوں اور فرمانبردار مردوں اور فرمانبردار عورتوں اور سچے مردوں اور سچی عورتوں اور صبر کرنے والے مردوں اور صبر کرنے والی عورتوں اور عاجزی کرنے والے مردوں اور عاجزی کرنے والی

عورتوں اور خیرات کرنے والے مردوں اور خیرات کرنے والی عورتوں اور روزہ دار مردوں اور روزدار عورتوں اور پاک دامن مردوں اور پاک دامن عورتوں، ساری چیزیں بیان کی لیکن آگے جو چیز بیان کی۔ وَالذّٰاکِرِینَ اللّٰہَ کَثِیرًا وَالذّٰاکِرَاتِ بہت زیادہ اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والی عورتیں ۔ أَعَدَّ اللّٰہُ لَھُم مَّغْفِرَۃً وَأَجْرًا عَظِیمًا ان لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت تیار کر رکھی ہے اور ان لوگوں کے لئے بہت ہی عظیم اور بہت ہی بہتر اجر۔

دنیا کی ذرا سی اجرت کے لئے مزدوری کے لئے آدمی راتوں کو اور ٹائم (Overtime) پر کام کرتا ہے۔ صبح سویرے نکلتا ہے کہ وقت پر پہنچ جاؤں، لیکن مغفرت جیسی عظیم چیز کے لئے اور جنت جیسی عظیم چیز کے لئے وقت ہی نہیں۔

اسی لئے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں دیکھو گے آپ کہ جنت جیسی چیز کا طالب اور سو جائے اور جہنم جیسی خطرناک چیز سے پناہ چاہنے والا آرام سے بیٹھ جائے (یعنی ایسا نہیں ہونا چاہئے) جنت کی طلب اور پڑا رہا اور جہنم جیسی سخت چیز سے پناہ چاہی اور پڑا رہا مومن کی یہ شان نہیں۔ مومن کو تو ہر وقت آخرت کی فکر، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے بڑھانے کی فکر اور پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تعلق کے بڑھانے کی فکر ہونی چاہئے۔ اور فکر کرنے کی سب سے زیادہ اچھی عمر جوانی کی ہے۔ صحت دی اللہ تعالیٰ نے، جوانیاں دی، تندرستی دی، فراغت دی، اتنی نعمتیں دیں۔ ان نعمتوں کا اصل مقصد تو اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھانا ہے، ضمناً اللہ پاک نے اجازت دے رکھی ہے کہ تم اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے تجارت، ملازمت یا کوئی اور بھی پیشہ اختیار کر و لیکن اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حدود متعین کر رکھے ہیں۔ لیکن یہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول، اللہ تعالیٰ کا ذکر، اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کی تلاوت، اللہ تعالیٰ کے سامنے رونا گڑگڑانا یہ تو ہمارا اصلی کام ہے۔ اسی کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھیجا ہے۔

اس دنیا میں اللہ پاک نے ہمیں بھیجا ہے، ہمارا اصل کام اللہ تعالیٰ کی عبادت، بندگی، نماز، تلاوت، روزہ، اللہ تعالیٰ کے سامنے رونا گڑگڑانا ہے یہ ہماری زندگی کا اصل مقصد ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ [الذاریات : 56] (اور میں نے جن اور انسان کو بنایا ہے تو صرف اپنی بندگی کے لیے)

اس لئے ہر مومن بندے کو یہ ذہن میں ہمیشہ رہے کہ نماز میرا اصل مقصدِ زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز کے لئے بھیجا ہے۔ تلاوت، اللہ کا ذکر، تقوی (خوف خدا) اللہ تعالیٰ کی محبت کو بڑھانا، اللہ تعالیٰ کے تعلق کو بڑھانا اور اس کی رضا کا حصول یہ تو میری زندگی کا اصل مقصد ہے، انہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھیجا۔

اور یہ سارا نظام آسمان بنایا، سورج چاند، زمین، پہاڑ درخت اور مختلف قسم کی نعمتیں اللہ پاک نے زمین سے پیدا کی یہ ساری چیزیں اس لئے تا کہ اس سے ہماری ضرورت پوری ہو۔ اسی لئے فرمایا: حدیث پاک ہے: **ان الدنیا خلقت لکم**[1] کہ بھائی دنیا کو تو تمہارے لئے پیدا کیا گیا۔ **لیکن** **وانکم خلقتم للآخرہ** تم کو دنیا کے لئے پیدا نہیں کیا گیا تم کو تو آخرت کے لئے پیدا کیا گیا اور دنیا تو تمہارے لئے ہے۔ اور یہی نہیں کہ دنیا جس کا جی چاہئے اتنی لے، جتنی دنیا میرے لئے تیار کی گئی ہے اسکو میرے پاس پہنچنا ہی پہنچنا ہے کسی اور کے پاس جائیگی نہیں وہ چیز۔ اور جو دوسرے کی مقدر کی ہے وہ اس کے پاس جا کر رہے گی اور کسی اور کے پاس نہیں جائے گی۔

اور دنیا یہ امتحان گاہ ہے بندہ کو آزمایا جاتا ہے، تجارت کی اجازت شریعت نے ضرورت پوری کرنے کیلئے دی اچھے جذبے کے لئے ضرورت کو پورا کرو گے تو اللہ تعالی اس پر بھی اجر دیں گے۔ تجارت کے لئے اسباب اختیار کرو لیکن اسباب کو اصل مقصد مت سمجھو اصل نظر تمہاری اللہ پر ہے۔ اور یہ جو ضروریات کی اجازت ہے جہاں اور شرائط ہے وہاں ایک شرط یہ بھی ہے کہ یہ تمہارے اصل مقصد کے اندر یہ حائل نہ بن جائے۔ تجارت اتنی بڑھ گئی، اس میں اتنا مشغول ہو گیا اس کی وجہ سے نمازیں متأثر ہونے لگی، تلاوت متأثر ہونے لگی، اللہ کا ذکر، اللہ کی یاد متأثر ہونے لگی، تقوی متأثر ہونے لگا پھر تو اجازت نہیں۔ ان چیزوں کو تو معین بنالو اصل کاموں کے لئے۔ لیکن اصل کاموں کے لئے رکاوٹ نہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا اصل مقصدِ زندگی سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

*****

---

[1]. تنبیہ الغافلین بأحادیث سید الأنبیاء والمرسلین لسمرقندی| عن جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ | رقم الحدیث 147:

نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرو

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِیۡم ۔ اَمَّا بَعۡد:

آدمی اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتا ہے مختلف صورتوں میں اور بہت ساری شکلوں میں مثلا نماز پڑھتا ہے، اس نماز کے اندر رکوع، سجدہ، قیام، قرأت، قعدہ وغیرہ فرائض ہیں۔ ہر کسی کی نماز کے اندر قیام بھی، قرأت بھی، رکوع بھی سجدہ بھی قعدہ بھی اور مختلف اذکار مسنونہ بھی ہوتے ہیں، غرض ان چیزوں میں بظاہر سب کی نمازیں ایک جیسی ہوتی ہیں، خاص کر جب انسان نماز با جماعت پڑھتا ہے تو جتنی دیر امام قیام، رکوع، سجدہ، قعدہ وغیرہ کرتا ہے، تو مقتدیوں کو بھی اتنی دیر کرنا ہی پڑتا ہے، کیوں کہ مقتدی اسی کے تابع ہیں۔

اس کے بعد خاص دو چیزیں اور ہوتی ہیں وہ ہیں: اخلاص اور استحضار کہ قیام بھری نماز بھی ہے، قعود بھری بھی ہے، قرات بھری بھی ہے، رکوع بھری بھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اب یہ دیکھنا ہے کہ ہماری نماز اخلاص بھری بھی ہے یا نہیں؟۔ قیام اخلاص بھرا ہے؟، رکوع اخلاص بھرا ہے؟، سجدہ اخلاص بھرا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اب اخلاص بھرا ہونا، ہر مومن کے بارے میں یہ امید ہے کہ نماز پڑھے گا تو اخلاص ہی کے ساتھ پڑھے گا۔

لیکن اس اخلاص کے درجے ہیں:

ایک ہے نفسِ اخلاص اور ایک ہے اخلاص کا دھیان، کہ قیام کے دوران یہ دھیان آیا کہ میں اللہ کے لئے کھڑا ہوں، رکوع کے درمیان کہ رکوع کر رہا ہوں تو اللہ کے لئے یعنی آدمی اس بات کا دھیان کرے سوچے کہ میں اللہ کے لئے نماز پڑھ رہا ہوں، اللہ کے لئے قیام کر رہا ہوں، رکوع

اللہ کے لئے کرر ہا ہوں، سجدہ اللہ کے لئے، التحیات اللہ کے لئے وغیرہ وغیرہ (یہ ہوا اخلاص)۔

اب اس سے بھی ایک اوراونچی چیز ہے، وہ ہے استحضار کہ کیا میری نماز استحضار بھری بھی ہے یا نہیں؟ یعنی اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اس کا استحضار اور اکثر و بیشتر نمازیوں کے درمیان نمازوں کا تفاوت اور نمازوں میں فرق مراتب اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ کسی کی نماز کسی درجہ کی کسی کی اس سے کم۔ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے:

" إِنَّ الرَّجُلَ لَيَنْصَرِفُ وَمَا كُتِبَ لَهُ إِلَّا عُشْرُ صَلَاتِهِ، تُسْعُهَا، ثُمُنُهَا، سُبُعُهَا، سُدُسُهَا، خُمُسُهَا، رُبُعُهَا، ثُلُثُهَا، نِصْفُهَا [1]

بندہ نماز پڑھتا ہے کسی کو نماز کا آدھا، کسی کو ایک تہائی، کسی کو چوتھائی کسی کو پانچواں، کسی کو چھٹا، کسی کو ساتواں، کسی کو آٹھواں، کسی کو نواں، کسی کو دسواں حصہ ثواب دیا جاتا ہے وغیرہ اور کسی کی نماز جو ہے بالکل واپس کر دی جاتی ہے [2]۔

لہٰذا نمازی سوچے کہ میرا رکوع اخلاص اور استحضار بھرا ہے کہ نہیں، سجدہ اخلاص بھرا ہے کہ نہیں، اللہ کا دھیان آرہا ہے یا نہیں؟ غرض ہر ہر چیز (قیام، سجدہ، رکوع، تسبیح وغیرہ) اخلاص بھری، استحضار بھری ہے یا نہیں۔ یہ استحضار بھرا ہونا نماز کا، تلاوت کا، ذکر اللہ وغیرہ دوسری عبادات کا یہ عبادت کی روح ہے۔ اور یہ حدیث جبرئیل کے اندر موجود ہے کہ:

ماالایمان، ماالاسلام اور ماالاحسان۔

---

[1] سنن أبي داود | كِتَاب الصَّلَاةِ | أَبْوَابُ تَفْرِيعِ اسْتِفْتَاحِ الصَّلَاةِ | بَابٌ: مَا جَاءَ فِي نُقْصَانِ الصَّلَاةِ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " إِنَّ الرَّجُلَ لَيَنْصَرِفُ وَمَا كُتِبَ لَهُ إِلَّا عُشْرُ صَلَاتِهِ، تُسْعُهَا، ثُمُنُهَا، سُبُعُهَا، سُدُسُهَا، خُمُسُهَا، رُبُعُهَا، ثُلُثُهَا، نِصْفُهَا

[2] سنن ابی داؤد۔

(حدیث قدسی) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِي الْوَضَّاحِ، عَنِ الْأَحْوَصِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِذَا أَحْسَنَ الرَّجُلُ الصَّلَاةَ فَأَتَمَّ رُكُوعَهَا وَسُجُودَهَا، قَالَتِ الصَّلَاةُ: حَفِظَكَ اللَّهُ كَمَا حَفِظْتَنِي، فَتُرْفَعُ، وَإِذَا أَسَاءَ الصَّلَاةَ فَلَمْ يُتِمَّ رُكُوعَهَا وَسُجُودَهَا، قَالَتِ الصَّلَاةُ: ضَيَّعَكَ اللَّهُ كَمَا ضَيَّعْتَنِي، فَتُلَفُّ كَمَا يُلَفُّ الثَّوْبُ الْخَلَقُ، فَيُضْرَبُ بِهَا وَجْهُهُ ".

احسان کیا ہے؟

کیا فرمایا: **ان تعبداللہ کانک تراہ**[1] کہ اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے: **فان لم تکن تراہ** یہ بھی کیفیت نہیں یہ دھیان نہیں جمار ہا ہے کہ اللہ کو دیکھ رہا ہوں، پھر یہ دھیان رکھو''فانه یراک'' کہ وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے۔

تو ہر آدمی اپنی عبادت کے بارے میں سوچے خواہ جو عبادات بھی ہو، پڑھنا پڑھانا بہت بڑی عبادت ہے، بہت عظیم عمل ہے، لیکن میرا یہ عمل اخلاص بھرا ہے کہ نہیں ہے؟ اور اسے آگے استحضار بھرا ہے یا نہیں؟

ہم میں اور صحابہ کرامؓ میں فرق کیا ہے وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر کریم علیہ السلام نے فرمایا:

لاتسبّوا اصحابی فلو انّ احدکم انفق مثل اُحد ذھباً ما بلغ مُدّ احدھم و لا نصیفه[2]

کہ اگر آپ میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ میرے صحابہؓ کے ایک مد بلکہ آدھے مد صدقہ کرنے کے برابر بھی نہیں ہوگا یہ فرق اور اتنا فرق کیوں؟ وجہ کیا ہے؟ اخلاص اور استحضار......اور اسی کو احسان سے تعبیر کیا گیا، اسی کی وجہ سے عبادات میں، بندگی میں فرق ہوا ہے۔

اور یہ استحضار اللہ تعالیٰ کا دھیان نماز کے دوران، رکوع کے دوران، سجدے کے دوران، پڑھنے کے دوران، پڑھانے کے دوران، ہر وقت۔ اس کے لئے باضابطہ مستقل محنت کی

---

[1] صحیح بخاری --- کتاب التفسیر --- باب قوله: {إن الله عنده علم الساعة}: [صحیح بخاری] رقم الحدیث: 4777 --- حدثنی إسحاق عن جریر عن ابی حیان عن ابی زرعة عن ابی ھریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یوما بارزا للناس إذ اتاه رجل یمشی فقال: یا رسول الله ما الإیمان ؟ قال: الإیمان ان تؤمن بالله وملائکته و کتبه ورسله ولقائه وتؤمن بالبعث الآخر قال: یا رسول الله ما الإسلام ؟ قال: الإسلام ان تعبد الله ولا تشرك به شیئا وتقیم الصلاة وتؤتی الزکاة المفروضة وتصوم رمضان قال: یا رسول الله ما الإحسان ؟ قال: الإحسان ان تعبد الله کانك تراه فإن لم تکن تراه فإنه یراك قال: یا رسول الله متی الساعة ؟ قال: ما المسئول عنها باعلم من السائل ولکن ساحدثك عن اشراطها: إذا ولدت المراة ربتها فذاك من اشراطها وإذا کان الحفاة العراة رءوس الناس فذاك من اشراطها فی خمس لا یعلمهن إلا الله: إن الله عنده علم الساعة وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام سورة لقمان آیة 34 ثم انصرف الرجل فقال: ردوا علی فاخذوا لیردوا فلم یروا شیئا فقال: هذا جبریل جاء لیعلم الناس دینهم

[2]. صحیح البخاری | کِتَابٌ: فَضَائِلُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ | بَابٌ: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَهُ".

ضرورت ہے، جیسے آدمی ضابطہ کو حاصل کرنے کے لئے محنت کرتا ہے۔ایک طالب علم فارسی، عربی اول، دوم، پہنچتے پہنچتے فارغ ہو گیا، تو ضابطہ آ گیا یہ ضابطہ کے لئے مسلسل محنت (نو سال)، تو آ گیا ضابطہ جس قدر محنت کی اسی قدر ضابطہ آ گیا۔

ایسے ہی رابطہ کے لئے بھی محنت کی ضرورت ہے، استحضار کے لئے بھی محنت کی ضرورت ہے اور جیسے ضابطہ محض کتابوں سے حل نہیں ہوتا کہ طالب علم بڑا ذہین اردو پڑھا لکھا ہے کچھ عربی بھی سیکھ لی ہے۔اب میزان سے لیکر دورہ تک کی ساری کتابیں اپنے پاس رکھ دی اور اردو کے ترجمے دیکھ لئے، تو تھوڑی ہی اس کو وہ چیز آئے گی......نہیں ہرگز نہیں......کتابوں کے ساتھ ساتھ اس کو آدمی (صاحب کتاب) بھی چاہیئے جو ان ضابطوں کا ماہر ہو جو ان ضابطوں کو سمجھائے جب ضابطہ آئے گا۔محض میزان سے لیکر بخاری شریف تک ساری کتابیں لی اور اردو تراجم جمع کر لئے اور مطالعہ شروع کر دیا تو ضابطہ نہیں ہو گا۔جیسے ڈاکٹری کی کتابیں شروع سے لیکر آخر تک ساری کی ساری بغیر کسی استاذ کے پڑھ لی تو تھوڑی وہ ڈاکٹر بن جائے گا۔

ضابطہ ہے کہ کتابوں کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کے سمجھانے والے کی ضرورت ہے۔اسی طرح رابطہ کا معاملہ ہے، استحضار کا معاملہ ہے، یہ بھی مسلسل محنت چاہتا ہے، کسی صاحبِ رابطہ والے کے ساتھ اپنا رابطہ مستحکم کر دے اور اس کی ہدایت کے مطابق محنت کرے، پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کیسے کیسے عظیم دروازے کھول دیتا ہے، اس کا تجربہ ہے لیکن آدمی آگے چلا ہی نہیں، قدم بڑھایا ہی نہیں۔قدم بڑھایا میزان الصرف سے لیکر عربی دوم میں پہنچ گیا کچھ اور کھل گیا پھر آگے بڑھا کچھ اور کھل گیا پھر آگے اسی طرح......اور یہاں بے چارے نے قدم ہی نہیں اٹھایا، آگے بڑھنا دور کی بات ہے آئے گا کیسے؟

ضرورت ہے جیسے ضابطہ حاصل کرنے کے لئے محنت کرنی ہے، ایسے ہی رابطہ کو حاصل کرنے کے لئے محنت کرنی ہے، اللہ کا نام اللہ کا بندہ کثرت کے ساتھ، بار بار بار لے گا اللہ تعالیٰ کا دھیان آ جائے گا۔

علماء جن کو اللہ نے علم کی عظیم دولت سے نوازا ہے کم سے کم حکیم الامت حضرت مولانا

اشرف علی تھانوی صاحبؒ کی کتاب ”قصد السبیل“ پڑھ لیں اس میں حضرت تھانویؒ نے جو دستور العمل مرتب فرمایا عام آدمی کے لئے الگ، پھر عام آدمی کی دو قسمیں کی، ایک ایسا آدمی جو کاروبار میں مشغول ہے، ملازمت میں مشغول ہے، کسی اور چیز میں مشغول ہے، لیکن ایک تو وہ آدمی ہے تو عام عالم نہیں، غیر عالم ہے، لیکن اللہ نے فراغت دی اس کے لئے الگ دستور العمل حضرت تھانویؒ نے مرتب فرمایا ہے۔ اسی طرح علماء کی دو قسمیں: ایک عالم جو مشغول ہو پڑھنے پڑھانے میں مشغول، وعظ و تقریر میں مشغول اور مختلف کاموں میں مشغول، اس کے لئے بھی حضرت تھانویؒ کا دستور العمل پڑھا جائے اور اس کے مطابق عمل کرنا شروع کریں، دیکھئے اللہ کیسے نئی نئی باتیں کھول دیتا ہے۔ چھوٹی سی کتاب ہے ایک گھنٹہ میں ساری کتاب کا مطالعہ ہو جائے۔ قصد السبیل حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے اس کی تسہیل کی ہے ”تسہیل قصد السبیل“ اس کو پڑھنا چاہئے اور اس پر عمل کر کے دیکھیں پھر پتہ چلے گا کہ......کیا فرق ہے۔

ضابطہ عظیم نعمت ہے لیکن اس ضابطہ کی عظیم نعمت کے ساتھ رابطہ کی عظیم دولت مل جائے یہ تو نور علیٰ نور ہے لیکن اس کے لئے مستقل محنت کی ضرورت ہے۔

تو میں عرض کر رہا تھا نماز اور بقیہ عبادات کے اندر یہ جو ظاہری ارکان ہیں سب کے سب برابر ہوتے ہیں، خاص کر جماعت نماز میں، لیکن اس کے باجود ہر کسی کی نماز ایک جیسی نہیں۔ اصول وضوابط ظاہری ارکان (فرائض اور ارکان اور سنن اور واجبات کی رعایت) کے ساتھ پھر نماز اخلاص بھری ہو اور پھر استحضار بھری نماز ہو، اللہ کا دھیان ہو نماز کے اندر، رکوع سجدہ وغیرہ کے دوران تو یہ حالت اور اس نماز کے اثرات ہی الگ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی نصیب فرمائے آپ حضرات کو بھی نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ میری غفلت کو بھی دور کر دے اور آپ حضرات کی غفلت کو بھی دور کر دے اور پوری امت کی غفلت کو دور کر دے۔ (امین)

اپنا محاسبہ کیجئے

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ:

اسلام میں قیامت کو جتنی اہمیت دی گئی ہماری طرف سے عملاً اس کی اہمیت اس درجہ کی نہیں ہے۔قرآن مقدس اور امام الانبیاء حضرت محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاک ارشادات کے اندر قیامت اور آخرت وغیرہ کے جو احوال بیان کئے گئے ہیں، تقاضا تو یہ تھا کہ اس کا اثر ہماری پوری زندگی پر حاوی رہنا چاہئے تھا، ہمارے چلنے میں، اُٹھنے میں، بولنے میں، سننے میں ہر چیز میں، لیکن اکثر و بیشتر ایسا لگتا نہیں ہے۔

امام الانبیاء حضرت محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"مَا مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ، لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ، فَيَنْظُرُ أَيْمَنَ مِنْهُ، فَلَا يَرَى إِلَّا مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلِهِ، وَيَنْظُرُ أَشْأَمَ مِنْهُ، فَلَا يَرَى إِلَّا مَا قَدَّمَ، وَيَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَلَا يَرَى إِلَّا النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ، فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ[1]

یعنی جب آدمی کیلئے قیامت کا دن ہوگا، آخرت کا معاملہ ہوگا، تو تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے اس حال میں کلام کرے گا کہ اس کے اور اس کے رب کے درمیان نہ کوئی ترجمان ہوگا اور نہ کوئی حجاب۔ پھر جب دائیں کی جانب دیکھے گا تو سوائے ان اعمال کے جو اس نے آگے

---

[1]. صحیح البخاری | كِتَابُ التَّوْحِيدِ | بَابُ كَلَامِ الرَّبِّ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ الْأَنْبِيَاءِ وَغَيْرِهِمْ:
عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ، لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ، فَيَنْظُرُ أَيْمَنَ مِنْهُ، فَلَا يَرَى إِلَّا مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلِهِ، وَيَنْظُرُ أَشْأَمَ مِنْهُ، فَلَا يَرَى إِلَّا مَا قَدَّمَ، وَيَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَلَا يَرَى إِلَّا النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ، فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ

بھیجے ہیں اور کچھ اس کو نظر نہیں آئے گا اچھے یا برے! بائیں دیکھے گا یہی حال، آگے دیکھے گا تو جہنم کی آگ اس کو استقبال کرے گی، اور فرمایا؛ بچاؤ اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے اگر چہ کھجور کا ٹکڑہ ہی کیوں نہ ہو، یعنی صدقہ دیکر، ہم اپنے ہاتھوں کے ذریعہ، کانوں کے ذریعہ، دل و دماغ کے ذریعہ جو کچھ آگے بھیج رہے ہیں اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ اس کو سوچو ''وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ [الحشر : 18] (اور ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے) ہمارا اکثر و بیشتر معاملہ یہ ہوتا ہے کہ صرف نماز کا اہتمام ہوتا ہے لیکن نماز بھی جس درجہ کی جس انداز کی ہونی چاہئے وہ بھی نہیں لیکن یہ صرف نماز ہی کا معاملہ نہیں ہاں نماز ایمان کے بعد ایک اہم ترین فریضہ ہے لیکن ہم کو یہ بھی دیکھنا ہے کہ کتنے سالوں سے میری آنکھ دیکھ رہی ہیں، اتنے سالوں سے میری آنکھ کا دیکھا ہوا سب آگے جا چکا ہے، جب وہ میرے سامنے آئے گا اس کو دیکھنے سے آخرت میں مجھے خوشی ہوگی یا خدانخواستہ خدنخواستہ معاملہ کچھ اور ہوگا، اتنے سالوں سے میں کانوں سے سنتا آیا، اور جو کچھ میں نے کانوں سے سنا وہ ہمارے سامنے ضرور آنے والا ہے اسی طرح کتنے سالوں سے زبان چل رہی ہے اور مسلسل چل رہی ہے، ایک وقت آئے گا کہ یہ سارا زبان کا بولا ہوا میرے سامنے آئے گا۔

مَا يَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَيۡهِ رَقِيۡبٌ عَتِيۡدٌ [ق:18]

(وہ منہ سے کوئی بات نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک ہوشیار محافظ ہوتا ہے)

یہ دل اور دماغ اللہ تعالیٰ نے ہم کو دیئے ہیں اس نے کیا کیا اچھے یا برے ارادے کئے، کیا کیا اچھا یا برا سوچا، ہاتھ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کس قدر عظیم نعمت ہے، ان ہاتھوں سے کیا کچھ کیا اور قرآن مقدس میں ہاتھوں کا خاص تذکرہ ہوا۔

يَوۡمَ يَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ يَدَاهُ [النبا:40]

(جس دن آدمی دیکھے گا جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا)

دولت اللہ پاک نے دی، یہ دولت آئی کہاں سے؟ اور آنے کے بعد گئی کہاں؟ یہ علم جو اللہ پاک

نے عظیم نعمت دی تھی اس کے مطابق عمل کتنا کیا؟ یہ ساری چیزیں بندے کو سوچنے کی ہیں اور بغیر سوچے چارہ ہی نہیں، اللہ خود دعوت دے رہے ہیں اور حکم دے رہے ہیں سوچنے کا لیکن ہم اکثر و بیشتر سوچتے نہیں اور جس دن سوچنا شروع کریں گے۔ انشاءاللہ۔ ہماری زندگی پر اس کے اثرات فوراً ظاہر ہونگے، حضرت محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وہ حدیث پڑھی پڑھائی ہے، سنتے ہیں سناتے ہیں، فرمایا:

وَ اللهِ، لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا، وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا، وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشَاتِ، وَلَخَرَجْتُمْ إِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْأَرُونَ إِلَى اللهِ ". وَاللهِ لَوَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ شَجَرَةً تُعْضَدُ.[1]

یعنی فرمایا اللہ کی قسم جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانو تو بہت کم ہنسو گے اور بہت زیادہ رو گے اور اپنی بیویوں سے لطف اندوز ہونا بھول جاؤ گے اور دیوانوں کی طرح بیابانوں کی طرف بھاگ جاؤ گے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے آہ وزاری کرتے ہوئے، یہ سن کر حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا: "یَا لَیْتَنی کُنتُ شَجرۃ تُعْضد" کاش میں کوئی درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا ۔یعنی حساب نہ لیا جاتا کہ بہت کٹھن معاملہ ہے آخرت کا، جہنم کی آگ کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام کی وہ حدیث یاد ہوگی، فرمایا:

مَارَأیتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا و لا مثل الجنة نام طالبها[2]

یعنی میں نے نہیں دیکھی دوزخ کی طرح کوئی خوفناک بلا کہ اسے بھاگنے والا سویا ہے اور

---

[1] سنن ابن ماجه | كِتَابُ الزُّهْدِ | بَابٌ: الْحُزْنُ وَالْبُكَاءُ:
عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ، وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ، إِنَّ السَّمَاءَ أَطَّتْ وَحُقَّ لَهَا أَنْ تَئِطَّ، مَا فِيهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ إِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهُ سَاجِدًا لِلَّهِ، وَاللَّهِ، لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا، وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا، وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشَاتِ، وَلَخَرَجْتُمْ إِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْأَرُونَ إِلَى اللَّهِ". وَاللَّهِ لَوَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ شَجَرَةً تُعْضَدُ.

[2]. سنن الترمذی | أَبْوَابُ صِفَةِ جَهَنَّمَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | بَابٌ مِنْهُ:
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا رَأَيْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا، وَلَا مِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا".

نہیں دیکھی میں نے جنت کی طرح کوئی عظیم نعمت جس کو چاہنے والا سو یا ہے۔

یہ دنیا چند روزہ زندگی ہے، یہ ایسی یا ویسی گذر ہی جائے گی اصل معاملہ ہے آخرت کا، میں نے کئی مرتبہ عرض کیا کہ مومن بندہ کا اصل مقصد آخرت بنانا ہے، دنیا میں بھی اگر کچھ کرے گا کمانے کی نیت سے تو وہ بھی آخرت کی زندگی بنانے کے لئے ہو ورنہ پچتاوا ہوگا، لہٰذا کچھ وقت نکال کر تنہائی میں سوچو، اسی کو محاسبہ کہا جاتا ہے، **حاسبوا قبل ان تحاسبوا**[1] اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی، آپ کو بھی آخرت کی فکر نصیب فرمائیں (آمین)

☆☆☆☆☆

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے
یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے
جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

---

[1]. قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: " حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا، وَزِنُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُوزَنُوا؛ فَإِنَّهُ أَهْوَنُ عَلَيْكُمْ فِي الْحِسَابِ غَدًا أَنْ تُحَاسِبُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ، وَتَزَيَّنُوا لِلْعَرْضِ الْأَكْبَرِ {يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ} [الحاقة: 18] "
محاسبة النفس لابن أبي الدنيا؛ 22.

محض تمنا کافی نہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم۔

اَمَّا بَعْد:

مومن بندے کو چاہئے کہ ہر عمل سے پہلے یہ سوچ کہ میرے اس کئے ہوئے عمل کو (آخرت میں) میرے سامنے پیش کیا جائیگا۔

اللہ پاک فرماتے ہیں:

یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰی مِنْکُمْ خَافِیَۃٌ [الحاقۃ: 18]

(اس دن (یعنی قیامت کے دن) تم پیش کئے جاؤ گے تمہارا کوئی راز مخفی نہ رہے گا) کوئی عمل پوشیدہ نہ رہے گا۔ سارا سامنے آئیگا۔

مثلاً آدمی نماز پڑھتا ہے، یہ نماز جواب پڑھنے جارہا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوگی، لہٰذا اپنی طرف سے کوشش کرے کہ پوری نماز میں اللہ تعالیٰ کا دھیان رہے اتنا تو بندے کے بس میں بھی ہے اور اسی کا اللہ تعالیٰ نے مکلف بنایا ہے اس کوشش کے باوجود بھی ادھر ادھر کا خیال آجائے وغیرہ تو وہ۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نماز مقبول ہوگی۔ یہی حال تلاوت اور دوسرے اعمال صالحہ کا ہو۔

خدانخواستہ اگر کسی بندے کے دل کے اندر کسی برائی کا، کسی خطا کا تقاضا ہو تو بس اسی وقت سوچے کہ ایک وقت آئیگا کہ میرا یہ جرم میرے سامنے پیش ہوگا اس لئے اس جرم سے مجھ کو باز آنا چاہئے، اگر برائی یا گناہ کا ارادہ کرلیا پھر اللہ کی توفیق سے اور اللہ کے فضل سے اس گناہ سے بچ گیا

تو گناہ کے ارادے کے بعد اس سے باز آنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نیکی شمار ہوگی، لہٰذا گناہ کرنے سے پہلے سوچے کہ میرا یہ گناہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوگا اس لئے اس گناہ کے ارادے کو نیکی میں تبدیل کرلے۔

اب بندہ بشر ہے ہوگیا گناہ، اس کے لئے اللہ کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کرے اور یہ بھی سوچے کہ میری یہ توبہ بھی اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگی کیوں کہ یہ بھی ایک عمل ہے۔

یہی ہر عمل کا معاملہ ہے۔ ہمارا چھوٹے سے چھوٹا عمل، بڑے سے بڑا عمل، اچھے سے اچھا عمل، یا برے سے برا عمل ہر کوئی اللہ کی بارہ گاہ میں پیش ہوگا اور ہمارے نامہ اعمال میں درج ہوگا ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ سارا معاملہ ہمارے سامنے بھی پیش ہوگا، قبل اسکے کہ یہ ہمارے سامنے پیش کیا جائے اور ہم کو یہ کہا جائے:

اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا [الإسراء: 14]

(اپنا نامہ اعمال پڑھ لے آج اپنا حساب لینے کے لیے تو ہی کافی ہے)

لہٰذا یہ دن آنے سے پہلے اس نامہ اعمال میں رہ گئی کوتاہی کی تلافی کرے، اس میں غور وفکر کرے کہ میرے اس عمل میں کون سی کوتاہی رہ گئی ہے اور اگر کوتاہی ہو تو اس پر استغفار کرے۔

جب آدمی اپنی نماز، تلاوت اور بقیہ اعمال، اخلاق اور عادات کو بہتر بنانے کی کوشش میں لگا رہے گا تو اس لگے رہنے کا اثر ضرور اس کی زندگی پر پڑے گا۔ لیکن جب آدمی نے ارادہ ہی نہیں کیا تو فائدہ کیا محسوس کریگا؟

اس لئے میں عرض کرتا ہوں تمنا اور چیز ہے اور ارادہ اور چیز......ہم میں سے ہر ایک کو نیک بننے کی تمنا ہے، جنتی بننے کی، مخلص بننے کی، متواضع بننے کی لیکن محض تمنا ہی کافی نہیں۔ یہاں تو سب سے پہلے مضبوط ارادہ چاہیے، اس کے بعد اقدام بھی کرے، محض آدمی تمنا کرتا رہے، آدمی تمنا کرتا رہے اور یہ تمنا کرتے کرتے زندگی ختم ہوجائے اس سے کوئی فائدہ نہیں............!!

آخر آدمی ایک دن ارادہ کرے کہ میں پختہ مومن بنوں اور کچھ بھی ہو مجھے تو اپنی آخرت کو ٹھیک کرنا ہے اور پھر ارادہ کے بعد عمل بھی کرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنۡ أَرَادَ ٱلۡأٓخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعۡيَهَا (اور جو آخرت چاہتا ہے اور اس کے لیے مناسب کوشش بھی کرتا ہے) یعنی اس کے شایاں شاں عمل بھی کیا۔

وَهُوَ مُؤۡمِنٞ (اور وہ مومن بھی ہے)

مطلب یہ ہے کہ اس میں اخلاص بھی ہو، لہٰذا عمل کے اندر یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس میں اخلاص ہے کہ نہیں؟

اب تینوں چیزیں آ گئی مضبوط ارادہ بھی آ گیا، عمل بھی کیا جیسا کہ عمل کرنے کا حق تھا اس کی پوری کوشش کی اخلاص کے ساتھ اور مومن بھی ہے تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَأُوْلَٰٓئِكَ كَانَ سَعۡيُهُم مَّشۡكُورٗا [الإسراء: 19] (تو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی) ایسے لوگوں کے اعمال کی اللہ تعالیٰ قدر کرتے ہیں۔

ان کا عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں رائیگاں نہیں، اب آدمی اپنے بارے میں سوچے کہ میں نے اب تک کتنی مرتبہ ارادہ کرنے کے بعد اس کو عملی شکل دی اور ہر وقت اپنی نیت کو ٹٹولتا رہے اور آگے بڑھتا رہے۔

اگر یہ نہیں تو پھر سمجھے کہ میرے دل میں صرف تمنائیں......تمنائیں......ہیں اور آگے کچھ نہیں اور محض تمناؤں سے کام بننے والا نہیں۔

*****

یہ چمن صحرا بھی ہوگا یہ خبر بلبل کو دو

تا کہ اپنی زندگی کو سوچ کر قربان کرے

غافل...! تقویٰ کی فکر کر

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ۔ اَمَّا بَعْد:

جن چیزوں کی زیادتی میں ہمارے لئے فائدے بھی ہیں اور خطرے بھی ہیں ان چیزوں کی زیادتی کی ہم لوگوں کو ہمیشہ فکر رہتی ہے۔

مثلاً: آمدنی کی زیادتی فائدے کی چیز بھی ہے لیکن خطرے کا معاملہ بھی ہے، عہدے اور منصب کا اضافہ اور اونچا ہونا اس میں قدرے فائدہ بھی ہے لیکن خطرہ زیادہ ہے، تنخواہ کی زیادتی وغیرہ اس میں فائدہ بھی ہے لیکن خطرہ بھی ہے، لیکن اسکے باوجود یہاں پر آدمی زیادتی کی فکر میں ہے اور ذرا سی کمی ہوئی اور ذرا کسی کو دیکھ لیا کہ اس کا عہدہ مجھ سے زیادہ اس کی تنخواہ مجھ سے زیادہ اس کی آمدنی مجھ سے زیادہ ہے تو کم سے کم یہ احساس تو ہونے ہی لگتا ہے کہ کاش میرا بھی ایسا ہوا اور نہ ہونے سے پریشانی......لیکن جس چیز کی زیادتی ہر اعتبار سے نافع ہے اور جس چیز کی زیادتی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے اس کی زیادتی کی فکر اور اس کی زیادتی کی کوشش بہت کم! وہ کیا چیز ہے؟ وہ ہے تقویٰ اور پرہیزگاری۔ تقویٰ اور پرہیزگاری اللہ کے یہاں مطلوب ہے اور مطلوب بھی اس درجے کی کہ اس کا حق ادا ہو جائے۔ فرمایا:

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ [آل عمران: 102]

(اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے)

ہر آدمی اپنی جگہ سوچے کیا میرے اندر اتنا تقوی ہے جتنا مطلوب ہے؟ لیکن یہاں تو

اتنا بھی تقویٰ نہیں ،اتنا بھی خوف خدا نہیں کہ پانچ وقت کی نماز جماعت سے پڑھ لے، جاہلوں کا معاملہ جاہلوں کا لیکن جو جانتے ہیں نماز کی اہمیت ان کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے اور کون مسلمان نہیں جانتا (نماز اہم ترین فرض ہے،نماز مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان فرق کرنے والی چیز ہے،نماز کے اندر سستی منافقین کا شعار ہے) سارا کچھ جاننے کے باوجود توفیق ہی نہیں، جماعت جارہی ہے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ،رکعتیں چھوٹی جارہی ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں حتی کہ قضاء تک بھی ہوجاتی ہے لیکن احساس ہی نہیں۔روز آنکھوں کے ذریعے گناہوں کا ذخیرہ لکھا جارہا ہے کوئی احساس ہی نہیں،غیبتیں، جھوٹ،خیانت لکھی جارہی ہے کوئی احساس ہی نہیں،خیانت کی مختلف صورتیں ہیں اور یہ بھی خیانت ہے کہ ایک آدمی کسی ذمہ داری یا کسی کام پر تنخواہ لے رہا ہے اس تنخواہ کو وصول کرنے کی فکر لیکن وہ تنخواہ جس کام کے بدلے میں مل رہی ہے وہ مجھ سے ادا ہو بھی رہا ہے یا نہیں،قرآن کہہ رہا ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ (1) الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ (2) وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ (3) [المطففين: 1-3]

ترجمہ: بڑی خرابی (ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کی، کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں پورا ہی لے لیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں۔

غرض تنخواہ ،عہدے، مکان، کپڑے یا سواری کی کمیوں کو محسوس کیا جارہا ہے لیکن تقوی کی کمی کو محسوس نہیں کیا جارہا ہے۔دین کے معاملہ میں جو بنیادی چیزیں ہیں ان کی بھی کما حقہ فکر نہیں، جیسے پنج وقتہ نماز باجماعت کی کوشش کرنا یا اسکو دھیان کے ساتھ ادا کرنا اور یہ تو ایمان کے بعد بنیادی چیز ہے۔دیکھو ہمارے علاقوں کے اندر کتنی بڑی بستیاں ہوتی ہے لیکن گنے چنے لوگ مسجد میں آتے ہیں، ہمارے گھروں کے اندر کتنوں کی نمازیں قضا ہو رہی ہیں؟ خود ہم میں سے کتنوں کی نماز قضا ہورہی ہے؟ کتنوں کی جماعتیں چھوٹی جارہی ہیں؟ حالانکہ نماز کا معاملہ اہم ترین ہے۔جنکا کام دوسروں کو نمازوں پر کھڑا کرنا ہے جب

ان کے اندر سستی ہوگی تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ آخر یہ غفلت ہماری کب تک رہے گی؟ اس کی سب سے بڑی وجہ موت کا استحضار نہ ہونا ہے اور موت کا کچھ معلوم نہیں کہ کس وقت آکر دبوچ لے، ہٹا کٹا آدمی گھنٹوں اور منٹوں میں کیا سکنڈوں میں چل بستا ہے۔ اس لئے ہر آدمی سوچے اپنے بارے میں کہ سستی کی وجہ کیا ہے؟ میں ایک مثال عرض کروں ایک آدمی جس کی تنخواہ تیس ہزار روپے اور روزانہ کا نفع پانچ سو روپے اور دوسرے کے پاس دس ہزار اور روز کا نفع سو یا دوسو، کس قدر بے چین ہوگا نیند اڑ جائے گی کیا ہوا میرے پاس اتنا مال اور میرے پاس اتنا سرمایہ، اتنا اصل زر اور میری آمدنی روز کی صرف دوسو اور یہ جس نے مجھ سے اُدھار لیا یا میرے پاس ہی کچھ محنت کر کے کمایا اور میرے مقابلہ میں تھوڑا ہی ہے لیکن یہ روز پانچ سو کما رہا ہے احساس ہوگا کہ نہ ہوگا؟ علم کے بارے میں بھی آدمی سوچے کہ میرا فلاں ساتھی میرا فلاں دوست اس کے پاس ذرا سا علم، اس کے علم کے مقابلے میں دس گناہ میرے پاس زیادہ ہے لیکن وہ اس علم سے اتنا فائدہ اٹھا رہا ہے کہ گناہوں سے بچتا ہے، نمازوں کی پابندی، ہر دن صف اول میں نظر آتا ہے اور میرا معاملہ یہ ہے کہ میں صف اول کی فضیلت کرنے بیٹھ جاؤں تو گھنٹوں تقریر جھاڑ دوں اور اگر مسجد میں مجھے تلاش کیا جائے تو آخری صفوں میں نظر آؤں، اور بعض مرتبہ نیچے کے منزل کے بجائے اوپر نظر آجاؤں **انا لله وانا اليه راجعون**۔ آخر یہ غفلت کب تک رہے گی، بعض مرتبہ آدمی مجبور ہوجاتا ہے ایسی بات کہنے کیلئے جو کسی کیلئے باعث رنج بھی ہو لیکن جب آدمی بار بار سمجھانے سے نہیں سمجھتا...... بجائے اس کے کہ اپنی ملامت کرتا سمجھانے والے کی ملامت کرتا ہے اپنی غفلت کو نہیں سوچتا، ہمارا کام دوسروں کو بیدار کرنے کا ہے، چرواہا جب پڑا سوتا رہیگا تو جانوروں کا کیا حال ہوگا؟ ادارے کا بڑا ہو جانور کی طرح پڑا سویا رہے گا تو عملے کا کیا حال ہوگا؟ استاد پڑا سویا رہیگا تو شاگردوں کا کیا حال ہوگا؟ ہر آدمی اپنی اہمیت کو جان لے، اپنے مقام کو جان لے، اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے، اصول اور قوانین جو

بنتے ہیں سخت سے سخت، اس کی وجہ ہماری کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ ماں باپ بچے پر اسی وقت کچھ چیزوں کی پابندیاں لگاتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ میرا بچہ بگڑتا جارہا ہے، اب اس پر نظر رکھوں کہاں جارہا ہے اور اس کا دن کہاں گذرتا ہے، نماز کے وقت کہاں ہوتا ہے، رات کے وقت کہاں ہوتا ہے، اسکول کے وقت کہاں ہوتا ہے، جہاں بچے نے غلطی کرنا شروع کردی پابندی لگ گئی، لیکن جس بچے کے بارے میں اطمینان ہو کہ یہ بچہ بڑا ہی سعادت مند ہے، ہمہ وقت یا تو اپنی پڑھائی میں لگا رہتا ہے اس سے کچھ وقت بچ گیا تو تلاوت کریگا، اس سے کچھ وقت بچ گیا کسی دینی کتاب کا مطالعہ کریگا، نفل نماز پڑھے گا، دینی نسبت سے اپنے کسی دوست سے ملے گا، ایسے بچے پر قوانین اور پابندیاں نہیں لگتی اس کو آزادی مل جاتی ہے۔ لیکن جس بچے کے بارے میں دیکھا کہ یہ سیدھے ڈھنگ سے نہیں چلتا، اس پر پابندیاں لگ جاتی ہیں اسی طرح مدرسے کے اندر جو طلباء ہر وقت پہلی صف میں نظر آتے ہیں، تہجد میں، تلاوت میں نظر آتے ہیں اذکار میں نظر آتے ہیں استاد کو اطمینان ہوتا ہے کہ اگر میں نہ بھی رہوں کم از کم فلاں فلاں طالب علم اپنا وقت ضائع نہیں کرینگے ان کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ وہ نماز میں غفلت کریں گے۔

لہٰذا ہم میں سے ہر ایک اپنے اندر غفلت کو دور کرنے کی فکر کرے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی معاف فرمائے اور ہماری غفلتوں کی دور فرمائے۔ (آمین)

یہ دنیا امتحان گاہ ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ:

یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے یہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور اپنی بندیوں کا امتحان کرتے ہیں، بعض امتحانات سب کیلئے مشترک ہوتے ہیں ۔مثلاً نماز کا امتحان ہے سب کیلئے برابر ہے روزے کا امتحان ہے غرض تمام فرائض کا انجام دینا امتحان ہے، گناہوں سے بچنا بھی امتحان ہے اور یہ سب کے لئے برابر ہیں اور بعض امتحانات کسی کے لئے ہیں اور کسی کے لئے نہیں ہیں جیسے مالداری کا امتحان، غربت کا امتحان وغیرہ وغیرہ۔

قرآن پاک کی جو سورت ابھی نماز (فجر) میں پڑھی گئی اس میں اللہ تعالیٰ دو امتحانوں کا تذکرہ فرماتے ہیں مالداری اور عزت و اکرام کا امتحان ہے" . فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ (الفجر: 15) (لیکن انسان تو ایسا ہے کہ جب اسے اس کا رب آزماتا ہے پھر اسے عزت اور نعمت دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت بخشی ہے) اس میں مالداری وغیرہ نعمتوں کے امتحان کا ذکر ہے اور دوسرا "وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ (16) [الفجر: 16] (لیکن جب اسے آزماتا ہے پھر اس پر اس کی روزی تنگ کرتا ہے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا) اسمیں رزق کی تنگی کے امتحان کا ذکر ہے، غرض یہ ہے کہ دنیا کے اندر ہر انسان امتحان کیلئے آیا ظاہر بات ہے کہ جب امتحان کا معاملہ ہو اور آدمی امتحان ہال اور امتحان گاہ کے اندر ہو اور اس کو معلوم ہو کہ میرے امتحان کی نگرانی کیلئے بہت سارے حضرات متعین ہیں اور ان کی میرے اوپر نظر ہے آدمی پورا چوکنا ہو جاتا ہے، ایک تو سوالات کو حل کرنے کی طرف پوری توجہ اور کوئی ایسی حرکت مثلاً نقل کی

حرکت یا اسطرح کی حرکت جس کی وجہ سے اس کا پرچہ سوخت ہو اور اس کو ناکام قرار دیا جائے اور آئندہ اس پر پابندیاں لگنے کا خطرہ ہو تو پھر آدمی بہت زیادہ چوکنا ہو جاتا ہے، امتحان ہال کے اندر ہر اعتبار سے پوری کی پوری توجہ اپنے امتحان اور امتحانی پرچے پر ہوتی ہے یہ دنیا بھی امتحان گاہ ہے جس میں ہمیں مختلف انداز سے امتحان ہے، یہ جو فجر کی نماز کا معاملہ ہے اگر کبھی گھر کے بچوں کو معلوم ہو کہ والد مسجد کے اندر ہے اور ہماری حاضری یقینی وہاں قرار دے رہے ہیں اور ہماری غیر حاضری پر تنبیہ کرسکتے ہیں، طلباء کو احساس ہو کہ اساتذہ نگرانیاں کرتے ہیں اور اپنے درجے کے ہر بچے پر ان کو نگرانی ہوتی ہے کہ کون بچے مسجد میں ہیں اور کون نہیں؟ اسی طرح اساتذہ کو ذمہ دار کے بارے میں احساس ہو کہ وہ بھی نظر گذر رکھتا ہے تو اس کا ایک اثر پڑتا ہے، یہ ایک طرح کا امتحان ہے۔

اب اللہ کی طرف سے ہمارا امتحان چل رہا ہے کہ مسجد کے اندر ایک تو اللہ تبارک وتعالیٰ احکم الحاکمین حقیقی نگران ہیں، اسی نے حکم دیا ہے سجدہ کرنے کا اور مستقل فرشتے نگراں ہیں جو صبح شام آتے ہیں تو انکا فجر کے اندر حاضری طے شدہ ہے، رات کے فرشتے (جن کی رات کی ڈیوٹی ہوتی ہے) وہ بھی اور دن کے فرشتے وہ بھی۔ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا [الإسراء : 78] (بیشک صبح کی نماز میں مجمع ہوتا ہے)۔اس کی تفسیر یہ بھی بیان کی گئی کہ رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے سارے کے سارے موجود ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جب واپس پہنچتے ہیں تو اللہ جاننے کے باوجود فرماتے ہیں میرے بندوں کو کیسے پایا؟ وہ عرض کرتے ہیں بار الٰہا جب ہم گئے تھے تو وہ نماز میں تھے اور جب وہاں سے رخصت ہو کر آئے تو اس وقت بھی نماز ہی کی حالت میں تھے، یہ ہمارا ایک عقیدہ ہے، امام الانبیاء محمد عربی ﷺ نے جس چیز کی خبر دی وہ ہمارا عقیدہ ہے، لیکن اس عقیدے کا کتنا اثر پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ کے مقدس فرشتے بہت تعداد کے اندر موجود ہیں اور پیغمبر علیہ السلام کی خبر ہے، دوسروں کی خبر میں احتمال رہتا ہے، مختلف احتمالات ۔۔۔۔۔لیکن جو محمد عربی علیہ السلام خود فرمائیں اور اللہ وحدہ لاشریک خود فرمائیں قرآن میں ہو جس کی یہ شان ہے کہ " ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ " ہر طرح کے احتمال سے وراء الوراء ہے، سو فیصد سچا۔۔۔۔۔وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا [النساء : 122] (اور اللہ سے بڑھ کر کون بات کا سچا ہے؟)، اللہ کی بات سے زیادہ کس کی بات سچی ہو سکتی ہے، لیکن والدین کی بات اور اطلاع کا اثر پڑتا ہے اور حد درجہ انسان کوشش کرتا ہے کہ مسجد میں آؤں گا اور پہلے آؤں گا، استاد کی نگرانی اور

اس کے دیکھنے میں احتمال ہے یقینی نہیں اس سے چوکنا ہوجاتا ہے کہ شاید کہ مجھ ہی پر نظر پڑ جائے، ذمہ دار کی نگرانی کا اثر پڑ گیا اور خدائے وحدہ لاشریک اور اس کے مقدس فرشتوں کی اطلاع کا معاملہ اسکا اثر نہ پڑے، اس کو کہتے ہیں یقین کی کمزوری اور بے حسی کی دلیل.......!

تو دنیا جو ہے یہ اللہ کی طرف سے ہماری امتحان گاہ ہے اور اس امتحان گاہ میں ایک مرتبہ آدمی آیا اب دوبارہ نہیں آئیگا، دنیا کی امتحان گاہوں میں چلتا رہتا ہے، آج امتحان گاہ میں آیا پھر تین مہینے کے بعد آیا، سال کے بعد آیا، پھر آیا پھر آیا (بار بار آنا اور جانا رہتا ہے) لیکن یہ جو دنیا کا امتحان گاہ ہے اور امتحان ہال ہے اس میں انسان بس ایک مرتبہ آتا ہے، اب جب تک اللہ کی طرف سے اس امتحان گاہ میں رہنا طے ہے اس وقت تک تو رہے گا اس سے پہلے امتحان گاہ سے نکلنا ہی نہ ہوگا لیکن جب نکلنے کا وقت آگیا اب یہاں رہ ہی نہیں سکتا اور دوبارہ آ ہی نہیں سکتا۔ اس لئے ہر آدمی کی ہمیشہ سب سے زیادہ فکر یہ رہے کہ اپنے بارے میں، اپنے متعلقین کے بارے میں، گھر والوں کے بارے میں، دوست احباب کے بارے میں اور اپنے ماتحتوں کے بارے میں کہ جب بھی کسی کا اس امتحان ہال سے جانا ہو ایک آرزو یہ ہو جو انتہائی اور آخری ہے کہ بس کامیاب ہو کر نکلیں، باقی یہ امتحان ہال کا زمانہ غربت میں گذرے، تنگدستی میں گذرے، پریشانی میں گذرے، مصیبت میں گذرے، عزت کے ساتھ گزرے اور بظاہر ذلت کے ساتھ گزرے، یہ کوئی ٹینشن کا معاملہ نہیں، اصل معاملہ اس امتحان گاہ سے واپسی کا ہے، اگر کوئی بندہ شروع سے لیکر اخیر تک اس دنیا کی امتحان گاہ میں مصیبتوں کا شکار رہا، بیماریوں کا شکار رہا، پریشانیوں کا شکار رہا، ہر اعتبار سے (اللہ عافیت کا معاملہ فرمائیں) پریشان لیکن جب اس امتحان گاہ سے نکلنے کا وقت آیا تو کامیاب ہو کر نکلا، اب یہ جو زندگی بھرپورے امتحان گاہ کا جو زمانہ اس نے مصیبتوں اور پریشانیوں میں گزارا، جب اس کے سامنے کامیابی جنت کی صورت میں، اللہ کی رضا کی صورت میں آئے گی، اس سے پوچھا جائے گا کہ کبھی کوئی مصیبت پریشانی دیکھی؟ وہ قسم کھا کر یہی کہے گا کہ کوئی پریشانی نہیں دیکھی۔ اور اس کے برعکس ایک انسان جو اس دنیا کی امتحان گاہ (امتحان ہال) میں ہر طرح کی عزتوں سے مالا مال، اونچے سے اونچے عہدے پر، کثیر آمدنیوں کے ساتھ، کافی اموال کے ساتھ اور بہترین نعمتوں کے ساتھ اس امتحان گاہ میں رہا اور زندگی گزاری اس اعتبار سے کہ دنیا میں قابل رشک مانا جاتا تھا، ہر حریص کی جب اس پر نگاہ پڑتی تو وہ یہ تمنا کرتا کہ کاش میں بھی ایسا ہوتا لیکن (ہر طرح کے آرام کا سامان والا) جب دنیا کی امتحان گاہ سے نکلا تو ناکام ہو کر نکلا، اب

جب اس ناکامی کی صورت (اللہ بچائے) جہنم کی حالت میں اس کے سامنے آجائے گی، اس پر پوچھا جائے گا بھائی کبھی کوئی راحت کی چیز دیکھی؟ تو قسم کھا کر اس کا انکار کریگا۔

اس لئے ہر مومن بندے کو اپنے لئے، اہل وعیال کیلئے، اپنے دوست و احباب کے لئے، اپنے متعلقین کیلئے یہ فکر دامن گیر رہے کہ جب بھی اس دنیا کے امتحان گاہ سے جانا ہو تو بس کامیاب ہو کر نکلے اور اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس امتحان گاہ کا جو زمانہ گذر رہا ہے، چل رہا ہے، اب تک جو گذر گیا یا آئندہ۔ انشاء اللہ۔ گذرے گا، جس کو جتنا مقدر ہو اس کے اندر یہ فکر سوار ہو کہ کوئی ایسی حرکت نہ ہو جس سے میرے اس امتحان میں نمبرات کم ہوں، جس سے میرے ناکام ہونے کا خطرہ ہو، ہر گناہ کے اندر یہ خطرہ ہے کہ یہی ناکامی کا سبب بن جائے۔ حدیث میں آتا ہے بندہ بعض مرتبہ زبان سے کوئی ایسا معمولی گناہ کرتا ہے اس کو معمولی سمجھتا ہے لیکن اس کے ذریعہ اس کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بعض مرتبہ کوئی معمولی نیکی کرتا ہے جس کو وہ معمولی سمجھتا ہے تو اسی سے کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا ہے یہ واقعات احادیث کے اندر آئے ہیں، بڑھیا کا واقعہ ایک بلی کو روکے رکھا کھانے اور پینے کو نہیں دیا اور آزاد بھی نہیں چھوڑا اسی ایک گناہ کی وجہ سے پیغمبر علیہ السلام نے اسکو جہنم میں دیکھا اور دوسری وہ فاسق و فاجر عورت جس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا وہی عمل اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوگئی باوجود یہ ہے کہ بے شمار بدکاریاں[1] لیکن ان ساری بدکاریوں کے مقابلے میں یہ ایک نیکی اللہ کو اچھی لگی اور اس بڑھیا کی ساری نیکیوں کے باوجود بلی کے ساتھ یہ سلوک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ بنا۔

اس لئے مومن بندہ ہر گناہ سے بھرپور بچنے کی کوشش کرے اور نیکی کو انجام دینے کی بھرپور کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ جب امتحان گاہ سے نکلے گا تو کامیاب ہو کر نکلے گا۔ اللہ مجھے بھی آپ کو بھی اور پوری امت کو اس دنیا سے کامیاب ہو کر نکلنے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

یہاں ایسے رہیں یا ویسے رہیں
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہیں

---

[1] مسلم شریف 5860: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّ امْرَأَةً بَغِيًّا رَأَتْ كَلْبًا فِي يَوْمٍ حَارٍّ يُطِيفُ بِبِئْرٍ، قَدْ أَدْلَعَ لِسَانَهُ مِنَ الْعَطَشِ، فَنَزَعَتْ لَهُ بِمُوقِهَا فَغُفِرَ لَهَا.

اپنے اہل وعیال کی فکر کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ:

دنیا کے اندر ہم اس بات کو دیکھتے ہیں کہ آدمی چھوٹے سے چھوٹے خطرے کے راستے پر نہ خود چلتا ہے اور نہ اپنے گھر والوں کو اس پر چلنے دیتا ہے، چلنا تو دور کی بات ہے بلکہ خطرے کے راستے کی طرف جانے ہی نہیں دیتا، جس قدر ہوسکتا ہے یہ خطرے کے راستے سے خود بھی دور رہتا ہے اور اور اپنے گھر والوں کو بھی دور رکھتا ہے (حالانکہ دنیا کا بڑے سے بڑا خطرہ آخرت کے خطرے کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں) اور اس کو کسی کے روکنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ اسکو بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ راستہ خطرے کا ہے (چاہے گرنے کا خطرہ ہو، کسی دشمن کا خطرہ ہو، کسی ظالم کا خطرہ ہو وغیرہ وغیرہ) تو اس سے خود بھی دور رہتا ہے اور اپنے اہل وعیال اور متعلقین کو دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

لیکن آخرت کے خطرے کے معاملے میں اس کے برعکس !!...... دنیا کے سارے خطرات کی آخرت کے ایک چھوٹے سے خطرے کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے آخرت کے خطرات کی نہ صرف نشاندہی فرمائی بلکہ تاکید کی کہ ان خطرات کے راستے پر ہرگز مت چلو بلکہ خطرے کے راستے کے قریب بھی مت پھٹکو۔ چنانچہ فرمایا وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا [الإسراء : 32] (اور زنا کے قریب نہ جاؤ)، اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ (اور بے حیائی کے جتنے بھی طریقے ہیں ان

کے پاس بھی مت جاؤ) لیکن بندہ ہے جاننے کے باوجود، پڑھنے کے باوجود، خدائے لاشریک لہ کے منع کرنے کے باوجود، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود اور اللہ والوں کے منع کرنے کے باوجود خود بھی چلا جارہا ہے اور اپنے اہل وعیال کو چلتے ہوئے دیکھنے کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہورہا ہے، بس دنیوی زندگی کے اندر مست اور مگن ہے! جبکہ خداوند لاشریک لہ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ [فاطر: 5] (اے لوگو بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے پھر تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ باز دھوکا نہ دے)

اور آج ہم بھی اس دنیا کے دھوکے کی زندگی سے اسقدر عاجز ہیں کہ آخرت کو اپنے ذہنوں سے عمل کی حد تک تو بالکل نکال ہی دیا ہے (إِلَّا ماشآء الله) اس لئے اپنے بچے کی ڈگری کی اور اس کی مروجہ تعلیم کی، اس کے روزگار کی اس قدر فکر سوار ہے کہ دن رات بس اسی میں گھلتے جارہے ہیں لیکن آخرت کے خطرے سے بچاؤ کی کوئی فکر نہیں۔ اولاد آٹھ، نو بجے تک بستر ے میں سوئی رہتی ہے کوئی پرواہ نہیں اور اب مارچ کا مہینہ آرہا ہے، اسکول اگر مارچ کی پہلی تاریخ کو کھل گئے تو گھر کے اندر ایک تبدیلی فوراً آجاتی ہے، چھوٹے سے چھوٹے بچے کو وقت پر جگایا جائیگا، نہلا یا دھلایا جائے گا، نئے کپڑے پہنائے جائیں گے اور وقت پر بلکہ وقت سے پہلے ہی اسکول پہچانے کی کوشش کی جائے گی اس قدر دنیا کا بھوت سوار ہے......لیکن اس کے برعکس آخرت کی کوئی فکر نہیں فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا (پھر تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے) وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ (اور تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ باز (شیطان) دھوکا نہ دے) یہ شیطان ہی کا تو دھوکا ہے کہ دنیا کی اس قدر فکر...... اور آخرت سے اس قدر غفلت......! فرمایا: إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا (بیشک شیطان تو تمہارا دشمن ہے سو تم بھی اسے

دشمن سمجھو) اور دشمن کے کہنے پر نہیں چلا جاتا ۔ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (فاطر :6) (وہ تو اپنی جماعت کو بلاتا ہے تا کہ وہ دوزخیوں میں سے ہوجائیں)، اسی لئے اللہ پاک نے فرمایا: لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ [الأعراف : 18] (فرمایا یہاں سے ذلیل وخوار ہوکر نکل جا جو شخص ان سے تیرا کہا مانے گا میں تم سب کو جہنم میں بھر دوں گا)۔

جب شیطان نے یہ کہا تھا کہ دائیں سے، بائیں سے، آگے سے پیچھے سے آؤں گا اور آپ اکثر کو شکرگزار نہیں پائیں گے بلکہ اکثر میرے قابو میں اور بہکاوے میں آویں گے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یادرکھو شیطان ! تیرے ذریعہ اور جتنے بھی لوگ تیری اتباع کریں گے تیرے نقش وقدم پر چلیں گے سب کے ذریعہ سے جہنم کو بھر دوں گا۔ دنیا کے معمولی سے معمولی خطرے سے بچاؤ کی فکر ہے اور آخرت کے سخت ترین خطرے سے بچاؤ کی مومن ہوکر کوئی فکر نہیں ! سنتا بھی ہے، پڑھتا بھی ہے، سناتا بھی ہے، پھر آخر وجہ کیا؟ دل تقوی اور آخرت کی فکر سے خالی ہے اور قرآن ایسی نعمت ہے جو سب کیلئے نصیحت ہے، لیکن اس نصیحت کا فائدہ کس کو پہنچتا ہے؟

جب ایک والد اپنے سارے بچوں کو نصیحت کرتا ہے لیکن سب کو نصیحت کا فائدہ نہیں ہوتا فائدہ اسی کو ہوتا ہے جس کے اندر طلب ہو۔ استاذ سارے طلباء کو نصیحت کرتا ہے فائدہ کوئی کوئی اٹھاتا ہے، تو خدا وحدہ لاشریک لہ کی نعمت (ہے تو عام) لیکن فائدہ کس کو پہنچے گا؟ ......متقین کو...... وَإِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ [الحاقة : 48] (اور بیشک وہ تو پرہیزگاروں کے لیے ایک نصیحت ہے) جب تقویٰ اور ڈر ہی دل کے اندر نہیں، خوف خدا ہی نہیں، تو پھر قرآن کا اثر بھی نہیں ہوتا جس قدر مومن کے دل کے اندر تقوی ہو، خوف خدا اور فکر آخرت ہو، اسی قدر قرآن کی آیات کا پڑھنا پڑھانا، سننا سنانا عظیم نصیحت کا کام دے دیگا اور جس قدر تقوی سے، خوف خدا اور فکر آخرت سے انسان دور ہوگا پڑھنے کے باوجود (تفسیروں

کی تفسیریں پڑھے گا) وہ فائدہ نہیں ہوگا جو ہونا چاہئے۔اس کے برعکس جس کے اندر تقوی،خوف خدا،آخرت کی فکر ہو بس تھوڑا سا ترجمہ پڑھ لیا آیات کا ترجمہ سمجھ میں آتا ہو تو نصیحت پر نصیحت مل رہی ہے اور قرآن عجیب اور عظیم نصیحت......!

پیغمبر علیہ السلام کی جو حدیث بار بار سنائی جاتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے اندر دو ناصح اور دو واعظ چھوڑ کر جارہا ہوں،ایک واعظ ناطق (بولنے والا) اور ایک واعظ صامت (خاموش) اسے بولنے کی ضرورت نہیں پڑتی اس کی خاموشی خود وعظ ہے،وہ خاموش واعظ ''موت'' ہے،قبرستان پر آدمی جائے قبرستان کی سوئی ہوئی بستی پر نظر ڈالنا یہ بہت بڑی نصیحت ہے،کسی عزیز یا قریب کا دنیا سے چلا جانا یہ بھی نصیحت ہے اور ایک واعظ ناطق،وہ ہے قرآن مقدس لیکن اس واعظ کا اثر کس پر؟ فرمایا ''للمتقین'' (متقین پر)۔

اس لئے ہر مومن بندہ اپنے اندر تقوی اور فکر آخرت پیدا کرنے کی کوشش کرے اور خود اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اپنے ماتحتوں کو سخت ترین خطرے کے راستے (جہنم کے راستے) سے دور رکھے۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی آپ حضرات کو بھی اور امت کے ہر ہر فرد کو بھی ہر طرح کے خطرے سے اپنی پناہ،حفاظت اور نگرانی میں رکھے (آمین)

ہے کوئی فائدہ اُٹھانے والا

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ:

انسان کو اپنی دنیا بنانے اور اپنے فائدے کا جب بھی کوئی موقع آتا ہے تو اس کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا ہے، اور اس موقع کا فائدہ اُٹھانے کیلئے وہ بہرحال مشقت بھی برداشت کرتا ہے اگر اس کو یہ معلوم ہوگیا کہ اگر میں سویرے اٹھوں گا تو مجھے فلاں بڑا فائدہ ملے گا اگر میں فلاں جگہ بیٹھا رہوں گا تو فلاں فائدہ ہوگا اور رات کو دیر سے سوؤں گا تو فلاں فائدہ ہوگا، کون آدمی ہوگا جو اس موقع کا فائدہ نہ اٹھائے گا؟ اور اس میں ہم سب کا معاملہ ایک جیسا (کسی کا کم اور کسی کا زیادہ)۔ لیکن دین کے معاملے میں چھوٹے چھوٹے مواقع کی بات ہی نہیں بڑے سے بڑے اور قیمتی موقعوں کو بھی کھودیتے ہیں۔

صف اول کی فضیلت

مثلاً پہلی صف کا معاملہ اتنا عظیم موقع ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا **لو یعلمون ما فی الصف الاول لکانت قرعۃً**[1] اگر مسلمانوں کو یہ معلوم ہو کہ پہلی صف کا کتنا اجر ہے اور آخرت بنانے میں کتنی معین ہے تو اس پہلی صف کو حاصل کرنے میں اگر قرعہ اندازی کی نوبت آجائے تو قرعہ اندازی بھی کر ڈالیں گے کہ کسی طرح سے بھی ہم کو پہلی صف میں جگہ مل جائے اور وہ حدیث

---

[1] سنن ابن ماجہ --- كتاب إقامة الصلاة والسنة --- باب : فضل الصف المقدم [سنن ابن ماجه]
رقم الحديث: 998 --- حدثنا ابو ثور إبراهيم بن خالد حدثنا ابو قطن حدثنا شعبة عن قتادة عن خلاس عن ابی رافع عن ابی هريرة قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لو يعلمون ما فی الصف الاول لكانت قرعة.

''ان اللہ و ملٰئکتہ یصلو ن علی الصف الاو ل ''[1] اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں پہلی صف والوں پر۔

صحابہ نے عرض کیا: دوسری صف والوں پر بھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا ''ان اللہ و ملئکتہ یصلو ن علی الصف الاو ل '' (یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں پہلی صف والوں پر)

صحابہ نے پھر عرض کیا: دوسری صف والوں پر بھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا ''ان اللہ و ملئکتہ یصلو ن علی الصف الاو ل ''

صحابہ نے پھر عرض کیا: دوسری صف والوں پر بھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر (تین مرتبہ فرمانے کے بعد) فرمایا: وعلی الثانی دوسری صف والوں پر بھی (مسند احمد)

ہم میں سے کتنے ہیں جو اس موقع کو جان بوجھ کر کھو دیتے ہیں تھوڑی ہمت کرے تو آدمی آسانی سے حاصل کر سکتا تھا چلو ٹھیک ہے کہ مہینے میں ایک دن دو دن پہلی صف میں جگہ نہ ملے لیکن اکثر ایام اس فضیلت کو حاصل کر سکتا ہے۔

نماز کے بعد اسی جگہ بیٹھے رہنے کی فضیلت

اسی طرح نماز کے بعد والا معاملہ ہے حدیث میں آتا ہے ''فإذا صلی لم تزل الملائکة تصلی علیه ما دام فی مصلاه ''[2] یعنی جب وہ نمازی نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس وقت تک

---

[1] حدثنا محمد بن بشار، حدثنا يحيى بن سعيد، ومحمد بن جعفر، قالا: حدثنا شعبة، قال: سمعت طلحة بن مصرف، يقول: سمعت عبد الرحمن بن عوسجة، يقول: سمعت البراء بن عازب، يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إن الله وملائكته يصلون على الصف الاول".

[2] صحيح البخاري | كِتَابُ الْأَذَانِ | بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ:

سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُوقِهِ خَمْسًا وَعِشْرِينَ ضِعْفًا، وَذَلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ، لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ، لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ، فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ، اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ، وَلَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلَاةَ

برابر اسکے حق میں عنایت اور رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ نماز پڑھنے کی جگہ میں رہے ؛ پھر یہ دعا کرتے ہیں کہ "اللّٰهم صلّ عليه اللّٰهم ارْحَمْه" یا اللہ اپنے اس بندے پر خاص عنایت فرما، اس پر رحمت فرما، مزید فرمایا و لايزال احدكم فی صلٰوةٍ ما انْتظر الصلوٰة کہ بندہ جب تک نماز کے انتظار میں ہے تو وہ نماز ہی میں ہے۔

تہجد کے وقت کی فضیلت

اللہ تعالی کی مغفرت اور رحمت! یہ تو ہمارا عظیم مطلوب ہے! اتنی لمبی رات بالکل آسانی کے ساتھ بندہ صبح اُٹھ سکتا ہے، آدھا گھنٹہ ایک گھنٹہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوکر اللہ سے مانگے اور اس وقت کے بارے میں حدیث میں آتا ہے "ينزل ربنا تبارك و تعالىٰ كل ليلة الى سماء الدنيا حين يبقىٰ ثلث الليل الاٰخر يقول من يدعونی فاستجيب له "[1] اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر اپنی شایان شان نزول فرماتا ہے اور آواز دی جاتی ہے کہ ہے کوئی دعا کرنے والا اسکی دعا قبول کروں "ومن يسالنی فأُعطيه: اور ہے کوئی مانگنے والا اس سے عطا کروں، و من يستغفرنی فاغفر له (بخاری و مسلم) اور ہے کوئی معافی چاہنے والا اسے معاف کروں۔

نماز اشراق کی فضیلت

فجر نماز کے بعد آدمی اپنی جگہ بیٹھا رہے تلاوت ذکر میں یہاں تک کہ اشراق ادا کرے حاجت کی دو رکعت ادا کرے۔ انکے بارے میں حدیث میں آیا ہے اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں "يا ابن اٰدم: اِركع لی اَربع ركعاتٍ من اول النهار اَكفِك آخره" (ترمذی) کہ

---

[1] سنن الترمذی حدیث نمبر: 3498

حدثنا حدثنا الانصاری، حدثنا معن، حدثنا مالك، عن ابن شهاب، عن ابی عبد الله الاغر، وعن ابی سلمة بن عبد الرحمن، عن ابی هريرة، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: " ينزل ربنا كل ليلة إلى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر، فيقول: من يدعونی فاستجيب له، ومن يسالنی فاعطيه، ومن يستغفرنی فاغفر له ". قال ابو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، وابو عبد الله الاغر اسمه سلمان، قال: وفی الباب، عن علی، وعبد الله بن مسعود، وابی سعيد، وجبير بن مطعم، ورفاعة الجهنی، وابی الدرداء، وعثمان بن ابی العاص.

اے ابن آدم دن کی ابتدا میں چار رکعت پڑھ لے دن کے آخر تک کفایت کروں گا بلکہ یہاں تک آیا ہے کہ غفرتُ له ذنوباً وإن كان مثلَ زَبدِ البحر (ترمذی) اگر اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر بھی ہوں انہیں معاف کر دوں گا۔ لیکن ہمیں ان مواقع کی قدر ہی نہیں۔

اصل میں ابھی تک دنیا ہمارے سامنے ہے اور اس کی دولت اور چیزوں کی قدر ہے اور آخرت کا معاملہ ابھی آنکھوں سے اوجھل ہے، لہٰذا اس اشراق، تہجد، مانگنے رونے کی قدر نہیں۔

جب دنیا کی آنکھیں بند ہو جائیں گی اور آخرت کا معاملہ سامنے آجائے گا پھر اشراق کی قدر معلوم ہوگی پھر اللہ کے سامنے رونے اور گڑ گڑانے کی قدر معلوم ہوگی۔ اللہ کا نام اخلاص کے ساتھ لینے کی قدر معلوم ہوگی پہلی صف میں جگہ پانے کی قدر معلوم ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان چیزوں کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

* * * * *

تم سا کوئی ہمدم کوئی دم ساز نہیں ہے
ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے
ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربط خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

اصل مطلوب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ:

ہم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور نماز شروع کرتے ہیں تو ہمارے سارے اعضاء نماز میں مشغول ہوجاتے ہیں آنکھ سجدہ کی جگہ کو دیکھنے میں، کان قراءت کے سننے میں، زبان قران کریم اور تسبیحات پڑھنے میں، دونوں ہاتھ، دونوں پیر، پیشانی، گھٹنے غرض ہر جوڑ نماز کی حرکات اور سکنات میں لگ جاتا ہے اور ہر آدمی اس کوشش میں رہتا ہے کہ یہ اعضاء نماز میں مشغول ہوں لیکن جس چیز کو نماز میں سب سے زیادہ مشغول رکھنا چاہے اور جسکی مشغولی زیادہ مطلوب ہے اسکو نماز میں مشغول رکھنے کی بہت کم فکر کی جاتی ہے اور وہ ہے دل۔

ایک موقعہ پر امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک صحابی نے ایک چادر ھدیۃً پیش فرمائی، اور بڑی خوبصورت چادر تھی اسمیں کچھ رنگین لکیریں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اوڑھ کر نماز ادا فرمائی، جوں ہی نماز سے فارغ ہوگئے فوراً اس چادر کو اتار دیا اور اس صحابی کا نام لیکر فرمایا کہ یہ اس کو واپس کردو اور ان کے پاس جو فلاں قسم کی چادر ہے وہ لیکر آو، اس لئے کہ اس چادر کی لکیروں نے اور اس کی خوبصورتی نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا[1]، چونکہ صحابی نے

---

[1] بخاری شریف حدیث نمبر: 373

حدثنا احمد بن یونس، قال: حدثنا إبراهیم بن سعد، قال: حدثنا ابن شهاب، عن عروة، عن عائشة، ان النبی صلی الله علیه وسلم صلی فی خمیصة لها اعلام، فنظر إلی اعلامها نظرة، فلما انصرف، قال: " اذهبوا بخمیصتی هذه إلی ابی جهم وائتونی بانبجانیة ابی جهم فإنها الهتنی آنفا عن صلاتی "، وقال هشام بن عروة: عن ابیه، عن عائشة، قال النبی صلی الله علیه وسلم: کنت انظر إلی علمها وانا فی الصلاة فاخاف ان تفتننی.

محبت کے ساتھ ھدیۃً پیش کی تھی کہیں ان کا دل نہ دکھ جائے لہٰذا فرمایا ان کے پاس جو فلاں قسم کی چادر ہے وہ لیکر آ و اور یہ ان کو واپس کردو، غرض آپ ﷺ کو مبارک قلب کی مشغولی کا شکوہ اوراحساس ہوا اس لئے اس کو فوراً بدل دیا۔ ایک موقع پر ام المومنین حضرت عائشہؓ نے ایک منقش پردہ کمرے میں کھڑکی وغیرہ پر لٹکایا تھا پیغمبر علیہ السلام نے نماز کے بعد فوراً فرمایا کہ اس کو ہٹادو اس نے مجھے مشغول کردیا۔ تو معلوم ہوا کہ نماز میں دل کی مشغولی بہت اہم ہے کسی اور چیز کی طرف مشغول نہ رہے، لیکن ہمارا معاملہ دوسرا ہے کہ نماز سے پہلے جس کام میں مشغول ہوتے ہیں دل بھی اسی میں مشغول ہوتا ہے لیکن جہاں نماز شروع کرلی دل کہیں اور مشغول ہوگیا بقیہ اعضا کو جو ہم نے مشغول رکھ دیا ان سے ہماری نماز کا جسم بن گیا لیکن نماز کی روح جو ہے وہ دل کی مشغولی سے بنتی ہے۔ جیسے دو آدمی کہیں قریب قریب سوئے ہوئے لیٹے ہوں، اسی دوران ان میں سے ایک مرگیا اور ایک زندہ ہے دور سے دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ یہاں دو آدمی سوئے ہوئے ہیں اور زندہ ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ایک زندہ ہے اور ایک مرچکا ہے لیکن چونکہ ظاہری اعضا کو دیکھ کر دور سے ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں قریب قریب ایک ہی بستر پر چادر پر لیٹے ہوئے ہیں۔

اسی طرح دو آدمیوں کے سارے ظاہری اعضاء نماز میں مشغول ہیں، ٹھیک طرح سے دونوں کھڑے بھی ہیں، ہاتھ بھی بندھے ہوئے ہیں، رکوع، سجدہ وغیرہ سب حرکات وسکنات ایک جیسا کر رہے ہیں، تو دیکھنے والا تو دونوں کو ایک جیسا سمجھے گا۔ لیکن جس ذات کی نظر دل پر ہے اس کے نزدیک دونوں ایک جیسے نہیں، اللہ تعالیٰ تو دل کو دیکھتے ہیں **ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم**[1]۔ اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتے وہ تو دلوں کو دیکھتے اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔ پہلے کا دل دیکھا تو کہیں دکان میں ہے کہیں آفس میں ہے کہیں اور کام میں ہے اور دوسرے کا دل دیکھا تو اللہ کے ساتھ مشغول۔ ظاہر بات ہے ان دونوں کی نمازوں کا معاملہ بھی ایک جیسا نہیں ہوگا۔ اگر اس دل والے نے (جس کا دل نماز میں مشغول نہیں تھا) جان بوجھ کر دل کو اِدھر اُدھر مشغول رکھا ہے تو پھر حدیث میں آیا ہے کہ اس کی نماز پرانے کپڑے میں لپیٹ کر اس کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔ **اللہم احفظنا منہ**۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب: البر والصلۃ والاداب۔

اور جس نے پوری نماز کے دوران دل کو اللہ کے ساتھ مشغول رکھا اس کی ساری نماز قبول، کسی کا کچھ دیر رہا، کسی کا کچھ دیر، اس لئے کسی کی تہائی نماز، کسی کی آدھی نماز، کسی کی نماز کا دسواں حصہ اور کسی کی نماز پرانے کپڑے میں لپیٹ کر اس کے منہ میں ماردی جاتی ہے۔اس لئے ہمیں چاہئے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے ہاتھوں کو کانوں تک بعد میں اٹھائیں، ہاتھوں کو ناف کے نیچے بعد میں باندھیں، اللہ اکبر بعد میں کہیں، اور بقیہ اعضا کی درستگی بعد میں کریں، سب سے پہلے دل کو مشغول کریں دل کو متوجہ رکھیں، اور سب سے پہلا کام دل کا مشغول ہونا ہے اور مسئلہ بھی یہی ہے کہ نماز کے لئے جو شرطیں ہے ان میں ایک شرط نیت بھی ہے اور لکھا ہے کہ نیت جو ہے وہ بالکل متصلاً نماز کی ہو، مطلب یہ ہے کہ پہلے نیت کر لی پھر اللہ اکبر، اب نیت اس کا نام نہیں کہ ہم نے زبان سے یہ کہا کہ میں نماز فجر ادا کر رہا ہوں اس کا نام نیت نہیں یہ تو نیت کے الفاظ ہیں، نیت کا محل دل ہے کہ دل سے آدمی یہ سمجھے کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہو کر فلاں نماز پڑھ رہا ہوں۔تو سب سے پہلے نماز کے اندر دل مشغول ہو۔اس کے بعد بقیہ اعضا کا نمبر ہے لیکن ہمارا معاملہ اُلٹا ہے کہ سارے اعضا تو مشغول ہو گئے لیکن دل مشغول نہیں.......!!اور بعض دفعہ معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ پانچ منٹ، دس منٹ، بیس منٹ کا قیام ہوتا ہے اور دل اس قدر غافل ہے کہ شروع سے لیکر اخیر تک بیچارہ مشغول نہیں ہوتا ہے۔دل کو پتہ ہی نہیں رہا کہ میں نماز میں ہوں دل کو پتا ہی نہیں میں رکوع میں ہوں، دل کو پتا ہی نہیں کہ میں سجدے میں ہوں، حالانکہ دل کو پتہ چلنا چاہئے کہ میں کہاں ہوں، ہاتھوں کو، پیروں کو اور دوسرے اعضاء کو پتہ چلنا ضروری نہیں اور ان کے اندر وہ احساس بھی نہیں جو دل کے اندر ہوتا ہے۔جس دن یہ دل ہمارے دیگر اعضا سے پہلے مشغول ہو جائے اس دن ہماری نماز حقیقی نماز بن جائے گی جس کے بارے میں خود قرآن کریم نے ارشاد فرمایا:إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ [العنکبوت: 45](بیشک نماز بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے) جس نماز کے بارے میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جعلت قرة عینی فی الصلوٰة[1] کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔

---

[1] سنن النسائی | كِتَابُ عِشْرَةِ النِّسَاءِ | بَابٌ: حُبُّ النِّسَاءِ:
عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ وَالطِّيبُ، وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ".

سیدنا بلالؓ سے کہا کہ بلالؓ اذان دو اور ہمیں راحت پہنچاؤ، مطلب یہ ہے کہ نماز کے ذریعہ ہمیں راحت پہنچاؤ۔

ہمارے دل کے نماز کے اندر مشغول نہ ہونے کے سبب نماز میں بعض مرتبہ بوجھ سا بھی محسوس ہوتا ہے، قرآن نے ایک جگہ نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ (بے شک یہ نماز بھاری ہے) اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ (البتہ بھاری نہیں ہے خشوع والوں پر) یعنی جو دھیان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اور اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ (جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں ضرور اپنے رب سے ملنا ہے) جن کو اس بات کا یقین ہے کہ انہیں اپنے رب کے ساتھ ملاقات کرنی ہے اور وہاں یہ نماز بھی پیش ہوگی وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ [البقرۃ: 45-46] (اور ہمیں اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے)۔

تو خشوع والے پر نماز بھاری نہیں۔ قیام بھاری نہیں، رکوع بھاری نہیں، ان کا حال ماشاءاللہ تو یہ ہوتا ہے کہ اگر امام نے جلدی سجدے سے سر اٹھایا اس کو سجدہ سے جلدی سر اٹھا کے مجاہدہ کرنا پڑتا ہے کیونکہ اسکا دل مشغول ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جس کا دل مشغول نہیں ہے اس کو دیر تک سجدہ میں سر رکھ کر مجاہدہ کرنا پڑتا ہے یہ بیچارا مجبور ہے چونکہ امام جب تک سر نہیں اٹھاتا یہ بھی نہیں اٹھا سکتا، لیکن جس دن دل مشغول ہوگیا اس دن اس کو سر جلدی اٹھانے میں مجاہدہ لگ رہا ہے، کہ اس کا جی چاہتا تھا کہ ابھی پڑا ہی رہوں، اس کا جی چاہتا ہی نہیں تھا سجدہ سے اٹھنے کو لیکن چونکہ امام کے ماتحت ہے اور امام کی ماتحتی کا حکم ہے اس لئے بیچارے کو سجدے سے سر اٹھانے میں مجاہدہ کرنا پڑ رہا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم سمجھ کر اٹھ رہا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے جو نماز شروع کریں بقیہ اعضا کو مشغول کرنے سے پہلے ہم دل کو مشغول کرنے کی فکر اور کوشش کریں اور اللہ سے بھی مدد مانگتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ حضرات کو بھی نماز کے اندر اور بقیہ عبادات کے اندر بلکہ تمام حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف دل کو مشغول رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس معاملہ کو ہمارے لئے آسان بنادے (آمین)

جب جانا ہی ہے تو کچھ کر کے جائیں

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ۔ اَمَّا بَعْد:

اس دنیا میں کسی کو ہمیشہ رہنا نہیں ہے، ہر ایک کو جانا ہے اور اپنے وقت پر جانا ہے، وقت سے پہلے کوئی نہیں جاتا اور وقت کے بعد کسی کو موقعہ بھی نہیں دیا جاتا ہے۔ اب آدمی فکر کرے کہ جب جانا ہی ہے تو کچھ کر کے جائے، دنیا میں آنے والے ہمیشہ نہیں رہتے، آکر چلے جاتے ہیں، لیکن کون کیا کر کے جا رہا ہے؟ اصل معاملہ یہ ہے......!!!

اللہ کے بے شمار بندے آئے بعض بہت کچھ (اچھائی) کر کے چلے گئے اور بعض دنیا و آخرت کی تباہی اور بربادی کا سامان کر کے گئے۔ بہت سے مالداری کی حالت میں تباہ و برباد ہو گئے اور بہت غربت کی حالت میں۔ وہ دیکھو نا قارون کتنا بڑا مالدار تھا، لیکن اس مال ہی نے اس کو تباہی اور بربادی کے دھانے پر پہنچا دیا۔ البتہ کسی مالدار کو اللہ پاک نے تو دنیا میں بھی نوازا ہے اور آخرت میں بھی ''وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ'' [البقرۃ: 212] (اور اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے)۔

تو بہر حال ہر آدمی کو یہ ذہن میں رکھنا ہے کہ مجھے بھی جانا ہے، میرے گھر والوں کو بھی جانا ہے، بیوی بچوں کو بھی، اب اگر جانے کے بعد اسی کے ساتھ معاملہ ختم ہوتا تو چلو معاملہ آسان تھا کہ آدمی کو جس طرح جی چاہتا اس طرح زندگی گزارتا لیکن معاملہ یہ ہے کہ جانے کے بعد اصل زندگی شروع ہونے والی ہے اور اس دنیا میں اللہ پاک نے ہم کو بھیجا ہی اس ابدی اور اصلی زندگی کی

تیاری کے لئے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ

اِنّ الدُّنیَا خُلِقَتْ لَکُم وَ اِنّکُم خُلِقْتُم لِلاٰخِرَۃِ[1] (کہ دنیا تمہارے لئے بنائی گئی اور تمہیں آخرت کے لئے بنایا گیا۔)

لیکن انسان (بلکہ مسلمان تک) اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ گویا مجھے دنیا ہی کے لئے بنایا گیا۔اس کی ساری دوڑ دھوپ، اس کے رات اور دن کی ساری کوششیں اسی دنیا کے بنانے میں لگی ہیں۔حالانکہ اس کو دنیا کے لئے نہیں بنایا گیا تھا، دنیا کو اس کے لئے بنایا گیا تھا اور اس کو تو اصل میں آخرت کے لئے بنایا گیا تھا۔لہٰذا اگر وہ دنیا میں کوئی کام کرتا بھی، تو اس کو دنیا کی ضرورت سمجھ کر انجام دیتا،لیکن اکثر وبیشتر اس کے خلاف دیکھا جاتا ہے گویا کہ دنیا ہی کمانے کے لئے اور دنیا ہی کو بنانے کے لئے اس کو اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔

یادرکھیں یہ مال کا ملنا، یہ عہدوں کا ملنا، یہ منصب کا ملنا سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان ہےاور میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ غربت بھی امتحان اور مالداری بھی امتحان،لیکن غربت کے امتحان سے زیادہ خطرناک ہے مالداری کا امتحان، اور ماتحتی کے امتحان سے زیادہ خطرناک افسری کا امتحان ہے۔غربت اور ماتحتی کے امتحان میں کامیاب نکلنا آسان اور مالداری اور افسری کے امتحان میں کامیاب نکلنا مشکل، ہاں اگر اس میں پاس نکل جائے تو پھر ناکامی کا کوئی سوال ہی نہیں بلکہ بعض مرتبہ پوزیشن بھی حاصل کرتا ہے۔لیکن ہے بڑا سخت امتحان!

بہرحال ہم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس دنیا میں ہم کو ہمیشہ نہیں رہنا ہے،کوئی وقت آئے

---

[1]. تنبیه الغافلین بأحادیث سید الأنبیاء والمرسلین لسمرقندی|عن جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ| رقم الحدیث 147: يَقُولُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " أَيُّهَا النَّاسُ ، إِنَّ لَكُمْ مَعَالِمَ فَانْتَهُوا إِلَى مَعَالِمِكُمْ ، وَإِنَّ لَكُمْ نِهَايَةً فَانْتَهُوا إِلَى نِهَايَتِكُمْ ، وَإِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ بَيْنَ مَخَافَتَيْنِ ، بَيْنَ أَجَلٍ قَدْ مَضَى لَا يَدْرِي مَا اللَّهُ صَانِعٌ بِهِ ، وَبَيْنَ أَجَلٍ قَدْ بَقِيَ لَا يَدْرِي مَا اللَّهُ قَاضٍ فِيهِ ، فَلْيَتَزَوَّدِ الْعَبْدُ مِنْ نَفْسِهِ لِنَفْسِهِ ، وَمِنْ حَيَاتِهِ لِمَوْتِهِ ، وَمِنْ شَبَابِهِ لِكِبَرِهِ ، وَمِنْ دُنْيَاهُ لِآخِرَتِهِ ، فَإِنَّ الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَأَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَةِ : فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، مَا بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ مُسْتَعْتَبٍ ، وَلَا بَعْدَ الدُّنْيَا دَارٌ إِلَّا الْجَنَّةَ أَوِ النَّارَ ، أَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِي وَلَكُمْ ".

گا (جو اللہ کے علم میں پہلے سے طے ہے) ہم کو یہاں سے جانا ہے یہ دنیا تو امتحان گاہ ہے اور یہاں تو اللہ پاک نے ہم کو امتحان دینے کے لئے لایا ہے۔

میں اکثر مثال دیا کرتا ہوں کہ اسکول، کالج یا مدرسہ میں امتحانات جب ہوتے ہیں تو سارے امتحان دینے والوں کو ایک ہی امتحان ہال میں جمع کیا جاتا ہے تو جب وہ امتحان ہال میں آتے ہیں، اس وقت نہ کوئی پاس ہوتا ہے نہ فیل، سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ چند گھنٹے اس امتحان ہال میں گزارنے کے بعد سب کو ایک وقت نکلنا پڑتا ہے، اگر کوئی نہ نکلنا چاہے تو وقت پورا ہونے کے بعد اس کو زبردستی نکال دیا جاتا ہے۔ لیکن اس امتحان گاہ میں چار گھنٹے، تین گھنٹے گزارنے کے بعد ان کی کیفیت و حالت ایک جیسی نہیں ہوتی، کچھ کامیابی کا سامان کر کے نکلتے ہیں اور کچھ ناکامی کا سامان کر کے، ہاں اسی وقت رزلٹ نہیں سنایا جاتا ہے، رزلٹ کے لئے کچھ وقت دیا جاتا ہے، مہینہ دو مہینہ تین مہینہ، دو مہینوں کے بعد رزلٹ آئے گا لیکن وہ رزلٹ اور نتیجہ جو بنے گا وہ اسی کی روشنی میں ہوگا جو کچھ انہوں نے امتحان گاہ میں کیا ہوگا۔

بس اسی طرح سمجھ لیجئے یہ جو دنیا ہے یہ ہمارے لئے ایک امتحان گاہ ہے۔ جب ہم اس دنیا میں آئے تھے تو اس وقت نہ کوئی پاس تھا نہ فیل تھا۔ حدیث میں ہے کہ "**كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلٰى الفِطْرَةِ**"[1] ہر نوزائد بچہ فطرت پر (قبول حق کی استعداد پر) پیدا ہوتا ہے۔ **فَاَبَوَاہُ يُهَوِّدَانِه اَو يُمَجِّسَانِهِ او يُنَصِّرَانِه** "پھر اس کے ماں باپ اسکو یہودی اور مجوسی اور نصرانی بنا لیتے ہیں۔

تو بہر حال جب آئے تھے تو ایک جیسے، لیکن جاتے وقت سارے کے سارے ایک جیسے نہیں۔ بے شمار اللہ کے خوش نصیب بندے وہ ہیں جو کامیاب ہو کر نکلے، اب ان کے لئے ناکامی کا نام و نشان بھی نہیں۔ اور بہت سے بدنصیب بندے اس دنیا سے ناکام ہو کر نکلے اور ان کے لئے اب کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔

---

[1] صحیح البخاری | كِتَابٌ: الْجَنَائِزُ | بَابُ مَا قِيلَ فِي أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ:
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَثَلِ الْبَهِيمَةِ تُنْتَجُ الْبَهِيمَةَ هَلْ تَرَى فِيهَا جَدْعَاءَ ".
صحیح مسلم | كِتَابٌ: الْقَدَرُ | بَابٌ: مَعْنَى كُلِّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ.

کالج اور مدرسے کے امتحان میں اگر کوئی کامیاب نکل گیا اس کو بعض مرتبہ ناکامی کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی ناکام نکلا تو اس کے لئے آئندہ کامیاب ہونے کی بھی امید ہوتی ہے کہ دوسرا چانس دے دے، لیکن یہ جو دنیا کا امتحان گاہ اور امتحان ہال ہے اس میں آدمی جب کامیاب ہوکر نکلتا ہے تو اس کے بعد ناکامی کا کوئی خطرہ نہیں اور خدانخواستہ اگر کوئی ناکام ہوکر نکلا اب اس کے لئے کامیابی کا کوئی چانس نہیں۔

یادرکھو.......!! ہمارا بھی امتحان چل رہا ہے، آنکھوں کا، زبان کا، دل کا، دماغ کا، مال کمانے کا، اس کے خرچ کرنے کا، عہدے کا، منصب کا، غرض ہر چیز کا امتحان چل رہا ہے اور دائیں بائیں فرشتے ہماری ہر نقل وحرکت کو نقل کررہے ہیں اور ہماری فائلیں بنارہیں ہیں، نہ معلوم نہ جانے کب اس امتحان ہال سے جانے کا وقت آجائے، پھر اس امتحان ہال سے نکلنے کے بعد انسان درخواست کرے گا" رَبِّ لَوۡ لَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ "(اے میرے پروردگار مجھے اور کچھ دن مہلت کیوں نہ دی) لیکن اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا: "وَلَنۡ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُہَا "(المنافقون: 11) (اور اللہ کسی کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جب اس کی میعاد مقرر آجاتی ہے)

اس لئے ہم سب کو چاہئے کہ اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو بھی یہ بات سمجھائیں کہ ہمارا امتحان چل رہا ہے، دن رات ہمارا امتحان چل رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فرشتے ہماری ہر نقل وحرکت کو، ہمارے ہر عمل کو لکھ رہے ہیں اور ہمیں چاہئے کہ محنت بھی کریں اور کوشش بھی کریں کہ جب اس دنیا سے جانا ہو تو کامیاب ہوکر نکلیں اور اس کے لئے صورت یہی ہے۔ فرمایا "کَمَا تَحۡیَوۡنَ تَمُوۡتُوۡنَ" اور "وَ کَمَا تَمُوۡتُوۡنَ تُبۡعَثُوۡنَ"[1] جیسے جیو گے ویسے ہی مرو گے اور جیسے مرو گے اسی حال میں اللہ کی بارگاہ میں پیش کئے جاؤ گے۔ لہٰذا کوشش بھی کریں اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے رو رو کر، گڑگڑا کر عاجزی کے ساتھ بار بار عرض کریں کہ پروردگار جب بھی اس دنیا کے امتحان گاہ سے جانا ہو تو ایمان کی سلامتی سے جانا ہو۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی نصیب فرمائے اور آپ سب کو بھی نصیب فرمائے۔ (آمین)

[1] کما تعیشون تموتون و کما تموتون تحشرون، وکل إناء یترشح بما فیه.

طلب ہو تو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ:

جب آدمی کے اندر طلب ہوتی ہے تو اسکے بعد آدمی کوشش میں لگ جاتا ہے، پھر اسکی کوشش کا نتیجہ سامنے آجاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کی کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔

آدمی کے اندر جن چیزوں کی طلب ہوتی ہے ان میں سے کچھ تو ظاہری چیزیں ہیں جیسے مال کی طلب، عزت، عہدے، مکان، کپڑے، گاڑی، اور دنیا کی جو مختلف ضرویات ہیں ان کی طلب ہوتی ہے اور بعض مرتبہ یہ طلب اتنی غالب آجاتی ہے کہ باقی ساری چیزیں اس کے نیچے دب جاتی ہیں، یہ طلب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت ہی ناراضگی کا سبب ہے، فرمایا:

مَّن كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا [الإسراء: 18]

(جو کوئی دنیا چاہتا ہے تو ہم اسے سر دست دنیا میں سے جس قدر چاہتے ہیں دیتے ہیں پھر ہم نے اس کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ذلیل وخوار ہو کر رہے گا)

جو دنیا کی طلب رکھتا ہو اور دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہو، اس کا اوڑنا بچھونا دنیا کی طلب ہو خواہ وہ طلب مال کی صورت میں ہو، شہرت کی صورت میں ہو یا عہدے اور منصب کی صورت میں ہو۔ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ تو ہم اسکو کچھ (اس دنیا میں سے) دیدیں گے، اور ہر کسی کو نہیں لِمَن نُّرِيدُ جس کو ہم چاہیں، اس کے ارادہ اور طلب سے کچھ نہیں ہوتا ہم جس کو چاہتے ہیں اس کو دیدیتے ہیں۔

لیکن چونکہ اس کی طلب ہی دنیا ہے اور اس نے اپنا اوڑنا بچھونا دنیا کو بنا رکھا ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ (پھر ہم نے اس کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے)
يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا (خوار ہو کر اس جہنم میں داخل ہوگا)

طالبِ دنیا کو اس کی طلب اتنی غالب آ گئی کہ جو اصل مقصود چیز تھی اور جس کو اصل طلب کرنا تھا، جو اس کی زندگی کا مقصد تھا وہ ذہن سے باہر ہو گیا، اس کے لئے تو معاملہ یہ ہے۔

اور ایک یہ کہ بندے کے اندر آخرت، نمازوں کے اندر خشوع خضوع، جماعت کے ساتھ پابندی، اللہ کی یاد، تلاوت، اللہ کے قرب، تقوی و پرہیز گاری کی طلب ہو، شرم وحیا، اللہ کی رضا، اللہ کی محبت کی طلب ہو اور اس میں لگ جائے، تو اس طلب کو بہر حال اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتے۔

وہاں طالب دنیا کے لئے فرمایا:

عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَآءُ لِمَن نُّرِيدُ

طالب دنیا کو دیتے ہیں مگر جسکو چاہتے ہیں اور جس کے لئے چاہتے ہیں اور انجام اس کے لئے جہنم ہے کیونکہ اس نے دنیا کو ہی اپنا مطلوب اور اپنی زندگی کا مقصد سمجھ رکھا تھا۔

اور جس کے اندر طلبِ آخرت ہو اور وہ طلب آخرت میں لگا ہو نمازوں کے ذریعہ، تلاوت کے ذریعہ، ذکر وفکر کے ذریعہ، دعا کے ذریعے، تقوے کے ذریعہ، اللہ کے سامنے رونے کے ذریعہ، گڑگڑانے کے ذریعہ، غریبوں، محتاجوں، ضرورت مندوں کی حاجت کو پورا کرنے کے ذریعہ وغیرہ وغیرہ، لگا ہوا ہے حتیٰ کہ دنیا کا بھی کام کرتا ہے تو وہاں بھی اصل مقصد طلب آخرت ہو، کسی دوسرے کا محتاج نہ بنوں، حلال ملے، حرام سے بچوں، اپنے اہل وعیال کی ضروریات پوری کروں اور اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کے ضرورت مند بندوں کی ضرورت پوری کروں وغیرہ وغیرہ، غرض لگا ہوا ہے طلب آخرت میں، اس کے لئے اللہ پاک کیا فرماتا ہے:

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا [الإسراء : 19] (اور جو آخرت چاہتا ہے اور اس کے لیے مناسب کوشش بھی کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی)

یعنی جس نے آخرت کا ارادہ کیا آخرت کو اپنا مقصد بنایا اور مقصد بنانے کے بعد اس آخرت کی طلب میں لگ گیا۔ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ ایمان کی شرط کے ساتھ،

کیونکہ کہ بغیر ایمان کے آدمی آخرت کو حاصل نہیں کر پاتا۔ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا ایسے لوگوں کی کوشش کی قدر کی جائے گی، جتنا انھوں نے کیا اتنا ہی نہیں اس سے بہت زیادہ ملے گا۔فرمایا:

مَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۖ وَمَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِن نَّصِيبٍ [الشوری: 20]

(جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کے لیے اس کھیتی میں برکت دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو اسے (بقدر مناسب) دنیا میں دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہوگا)

اور اضافہ کی کم سے کم مقدار اللہ پاک نے دس گناہ فرمائی مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا [الأنعام: 160] (جو کوئی ایک نیکی کرے گا اس کے لیے دس گنا اجر ہے) فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا ایسے لوگوں کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔

لہٰذا آدمی دیکھے کہ میرے اندر کن چیزوں کی طلب ہے۔ دنیا کی طلب زیادہ ہے یا آخرت کی طلب، مختلف انداز میں اپنا امتحان لیتا رہے، محاسبہ کرتا رہے: **حاسبوا قبل ان تحاسبوا**[1] محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

دنیا کا کوئی موقع ہم نہیں چھوڑتے ہیں چھوٹا ہو یا بڑا موقع جب ہاتھ آجائے تو اس کے لئے دن رات کی قربانی، بھوک کا برداشت کرنا، سردی اور گرمی سب کچھ برداشت کرتے ہیں لیکن موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے

اور موقعے دو ہی ہیں ایک دنیا کمانے کا اور ایک آخرت کمانے کا، دنیا کمانے کے موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اس کے لئے ہر قسم کی قربانی دیتے ہیں، لیکن آخرت کی طلب کے اندر یہ معاملہ نہیں، آخرت کے موقعوں کو ہم غنیمت نہیں سمجھتے ہیں بلکہ گنواں دیتے ہیں!

مثال کے طور صف اول: اتنا عظیم موقع ہے، امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1]. قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: "حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا، وَزِنُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُوزَنُوا، فَإِنَّهُ أَهْوَنُ عَلَيْكُمْ فِي الْحِسَابِ غَدًا أَنْ تُحَاسِبُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ، وَتَزَيَّنُوا لِلْعَرْضِ الْأَكْبَرِ {يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ} [الحاقة: 18]" محاسبة النفس لابن أبي الدنيا، 22.

اگرایمان والوں کو یہ معلوم ہوجائے کی پہلی صف کتنی فضیلت رکھتی ہیں تواس کے لئے قرعہ اندازی کی ضرورت آجائے اور قرعہ اندازی کے ذریعہ پہلی صف کے اندر آدمی آنے کی کوشش کرے گا۔

اور ہم اس عظیم نعمت اور اس عظیم موقع کو حاصل کرنے کے لئے کچھ نہیں کرتے، بیٹھے رہتے ہیں کمروں میں، گھروں میں پڑے ہوئے ہوتے ہیں، کیا اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے پانچ منٹ پہلے مسجد میں نہیں آسکتا آدمی.....؟

سردیوں کی عظیم راتیں (بڑی راتیں) ہیں، اتنا بہترین موقع ہے کہ بندہ ایک گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ، آدھا گھنٹہ جس کے اندر جتنی ہمت ہو اذان سے پہلے اٹھ جائے چند رکعت نفل کی، تہجد کی نیت سے پڑھ لے اور پھر اللہ سے مانگے کتنا عظیم موقع ہے؟ آدمی تنہائی میں اپنے آپ کو سمجھا دیا کرے کہ اگر روز تہجد میں سو روپے ملا کرتا اور مہینہ کے بعد تین ہزار روپے ایک ساتھ ملتے تو ہمارے گھروں میں کوئی تہجد کے بغیر رہتا؟! محض ایک سو روپے کے لئے۔ یہ ہے طلب دنیا، کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا، اللہ کا قرب، گناہوں کی مغفرت، دنیا اور آخرت کی حاجات کا پورا ہونا اس کی طلب نہیں لہٰذا موقعے ہی موقعے جانے دیتے ہیں

کتنے لوگ ہماری ریاست سے سردی کے زمانے میں چلے جاتے ہیں رزق حلال کی تلاش کے لئے، گھربار چھوڑ دیتے ہیں، گھر کا آرام چھوڑ دیتے ہیں لیکن کیا آخرت کے لئے ایسا کرتے ہیں...؟

تو میں عرض کررہا تھا طلب، سب سے پہلا معاملہ اور سب سے پہلی چیز جو ہے وہ طلب ہے۔

غرض اللہ کی محبت کی طلب، اللہ کی یاد کی طلب اگر میرے اندر ہے تو اس کے لئے میں کیا کرتا ہوں؟ جب آدمی بار بار سوچتا رہے گا غور کرتا رہے گا، تو ان شاءاللہ احساس بھی پیدا ہوجائے گا اور احساس پیدا ہونے کے بعد پھر آدمی کام میں لگ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ میری سوچ کو بھی درست کردے اور آپ حضرات کی سوچ کو بھی درست کردے۔آمین ثمّ آمین۔

---

[1] صحیح مسلم | كِتَابٌ : الصَّلَاةُ |بَابٌ : تَسْوِيَةُ الصُّفُوفِ وَإِقَامَتُهَا وَفَضْلُ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ مِنْهَا :
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : "لَوْ تَعْلَمُونَ - أَوْ : يَعْلَمُونَ - مَا فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ لَكَانَتْ قُرْعَةً ".
سنن ابن ماجه | كِتَابٌ : إِقَامَةُ الصَّلَاةِ وَالسُّنَّةُ فِيهَا. |بَابٌ : فَضْلُ الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ.

اُولُوا الْأَلْبَاب کون....؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ:

اس دنیا میں ہم بہت ساری چیزوں کو دیکھتے ہیں لیکن تجربہ ہے کہ اکثر و بیشتر ہم ظاہری آنکھوں سے تو دیکھتے ہیں لیکن دل کی آنکھوں سے نہیں دیکھ پاتے، حالانکہ اصل دیکھنا دل کی آنکھوں سے دیکھنا (غور وفکر کرنا) ہے اور قرآن مقدس میں جگہ جگہ اس کا حکم دیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے" فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ [الطارق: 5] (پس انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے) ظاہر بات ہے کہ یہاں آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں بلکہ یہاں دل کا دیکھنا اور غور وفکر کرنا مراد ہے۔. قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ (عبس 17) (انسان پر خدا کی مار وہ کیسا ناشکرا ہے) انسان تباہ ہو برباد ہو، ہلاک ہو کس قدر ناشکرا ہے) غور نہیں کرتا: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ (عبس:18) (کس چیز سے اللہ نے اس کو پیدا کیا) مِن نُّطْفَةٍ (ایک بوند سے) ایک ناپاک وگندے قطرے سے خلقه فقدره (عبس :19) (اس کو بنایا پھر اس کا اندازہ ٹھیرایا) ایک مخصوص بہترین انداز میں اس کو پیدا کیا۔ اس کے بعد آگے ارشاد فرمایا: فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ (عبس ۲۴) (پس انسان کو اپنے کھانے کی طرف غور کرنا چاہئے)

یہاں بھی دیکھنے سے مراد صرف آنکھ کا دیکھنا نہیں بلکہ غور وفکر کرنا مراد ہے أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا (عبس:25) (کہ ہم نے اوپر سے پانی برسایا) آدمی بارش کے ایک ایک قطرے پر

غور کرے، کس قدر اللہ تعالیٰ بارش کو کس انداز سے برسا رہے ہیں اور کس انداز سے انسانوں کی ضرورتوں کے مطابق برسا رہے ہیں، تو اللہ پاک نے جگہ جگہ دیکھنے کا حکم دیا ہے وہ صرف آنکھ سے دیکھنا مراد نہیں بلکہ غور و فکر کرنا مراد ہے صرف آنکھ سے دیکھنے کا آدمی پر اثر نہیں ہوتا، آنکھ کے دیکھنے سے اثر جب ہوگا جب بندہ ظاہری آنکھ کے ساتھ ساتھ باطنی آنکھ سے بھی دیکھے اور باطنی آنکھ سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر غور و فکر کرے، آدمی سوچے کہ آج تک میں نے کس قدر اپنی تخلیق کے بارے میں، اپنی پیدائش کے بارے میں'' کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کس چیز سے بنایا اور اللہ نے میری ضروریات کو کس کس انداز میں میرے لئے مہیا کر رکھا ہے اور اللہ نے جو کچھ ہمارے لئے ہر وقت مہیا کر رکھا ہے اگر ایک منٹ کے لئے بھی بند ہو جائے تو ہمارا جینا ہی محال ہو جائے گا، اللہ نے ہمارے لئے ہوا کو اور ہماری سانس کے سسٹم اور نظام کو جاری کر رکھا ہے اور اس انداز سے جاری کر رکھا کہ کچھ کرنا ہی نہیں پڑتا''

میں کبھی گزارش کیا کرتا ہوں کہ اگر یہ سانس کا لینا ہمیں اپنے اختیار سے ہوتا اور اس کے لئے کچھ کرنا پڑتا تو آدمی کو اسی سے فرصت نہ ہوتی کہ ہر وقت سانس کے لینے اور چھوڑنے میں لگا رہتا اور کسی کام کا رہتا ہی نہیں، رب کائنات نے سانس کا سسٹم اور اس کا نظام اس انداز سے جاری رکھا کہ باوجود یہ کہ سب سے زیادہ محتاج انسان دنیا کی نعمتوں میں سے سانس لینے کا ہے، اس کے بغیر تو ایک منٹ بھی جینا مشکل ہے اور یہ سانس کا نظام اللہ پاک نے اپنے اختیار میں لے رکھا ہے کہ بندے کو کچھ نہیں کرنا پڑتا، اگر سانس کی نعمت سے بہرہ ور ہونے سے یعنی اس کو استعمال کرنے میں اپنا اختیار استعمال کرنا پڑتا تو پھر سو ہی نہیں سکتا تھا، جہاں نیند آئی سانس بند ہو گیا ایک لمحے کے لئے بھی سو نہیں سکتا تھا، ایک لمحے کے لئے بول نہیں سکتا تھا، ایک لمحے کے لئے کھا نہیں سکتا تھا غرض کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کس قدر نعمتیں کھانے کے لئے، پینے کے لئے، رہنے کے لئے، ہر انسان کی مختلف ضروریات، ہر وقت رب کائنات نے مہیا کر رکھی ہیں، انسان کھانے پینے میں لگا ہوا ہے ان چیزوں کو اپنے ظاہری جسم کے بنانے کے لئے تو استعمال کرتا ہے، لیکن ان چیزوں کے ذریعے سے مومن بندے کی روح کو غذا ملے اس کے قلب (دل) کو غذا ملے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا عرفان اور معرفت حاصل ہو اس کے لئے ان کو

استعمال ہی نہیں کرتا، حالانکہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کا عرفان اور معرفت حاصل کرنے کے لئے تھیں، قرآن نے ارشاد فرمایا: إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ [الرعد: 19] (سمجھتے تو عقل والے ہی ہیں) نصیحت سمجھ والے حاصل کرتے ہیں۔

کون ہیں سمجھ والے؟

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ [آل عمران: **191**]

(وہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں)

ایک طرف زبان کو استعمال کرلیا اور دوسری طرف دل ودماغ کو بھی استعمال کرلیا، یاد رکھیں اللہ پاک نے ذکر کے ساتھ فکر استعمال کرنے کے لئے فرمایا: غرض عقل والے کون ہیں، جو ذکر اور فکر والے ہیں اور ذکر کو اللہ پاک پہلے لائے۔ کیوں؟ جب تک ذکر نہ ہوگا تو فکر سود مند نہیں ہوگی، گاڑی آگے چلے گی ہی نہیں۔ اس لئے جو یہ چاہتا ہو کہ میری فکر کی گاڑی آگے چلے یعنی فکر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کو، اللہ کی کبریائی کو، اللہ کی معرفت کو حاصل کرلوں تو اس کو فکر سے پہلے ذکر کی ضرورت ہوگی، بغیر ذکر کی غذا کے فکر کی نعمت نہیں ملا کرتی، اسی لئے جن لوگوں نے ذکر کے بغیر فکر کیا انہوں نے تو ہوائی جہاز بنائے اور بجلی کو تیار کیا، بہت ساری نئی نئی ایجادات تو حاصل کرلی، لیکن چونکہ ان کے فکر کے اندر ذکر شامل نہیں تھا فکر سے مغلوب تھے، اس لئے مادی چیزوں کو تو حاصل کرلیا اور مادی منافع تو حاصل ہوگئے لیکن روحانی اور قلبی منافع حاصل کرنے سے محروم رہ گئے کیونکہ ان کا فکر ذکر کے بغیر تھا۔ اس لئے ہر مومن بندے کے لئے ضروری ہے کہ فکر بھی کرے اور ذکر بھی کرے اور ذکر کے معاملے کو مقدم رکھے، بغیر ذکر کے فکر نصیب نہیں ہوگا، اور کائنات میں قرآن مقدس جس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں اس کے اندر فکر نصیب نہیں ہوگا، جب تک کہ مومن بندے کو ذکر کی نعمت نصیب نہ ہو، محض گرائمر پڑھنے سے، نحو اور صرف پڑھنے سے، محض کتابوں کے مطالعہ کرنے سے، محض تفسیروں کے پڑھنے سے، محض اساتذہ کے ساتھ سالہا سال لگانے سے قرآن کے حقائق کھل جائیں، قرآن کے معارف کھل

جائیں ،قرآن کے اندر غور وفکر کرنا نصیب ہوجائے ، ایسا نہیں ہوگا۔۔۔!!، فائدہ ضرور ہوگا لیکن قرآن کھلے گا نہیں ،قرآن جب کھلے گا جب قرآن کے لئے پہلے دل کو کھولا ہو اور دل اللہ کے ذکر سے کھلے گا، جب اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد سے نورانیت دل کے اندر پھیل جائے گی تو پھر اس کے بعد دل کی روشنی کے بقدر مومن بندے کے قلب پر قرآن کھلتا جائے گا، جب تک دل قرآن کے لئے نہیں کھلتا قرآن بھی اس کے لئے نہیں کھلے گا، اس لئے بعض مرتبہ ایک بے چارہ بے پڑھا لکھا لیکن قرآن کھل گیا معارف وحقائق سامنے آ گئے۔

ایک بزرگ کے بارے میں آتا ہے کہ بالکل ان پڑھ تھے قرآن پڑھا تک نہیں تھا، لیکن ان کے سامنے قرآن کو پڑھا جاتا، حدیث کو پڑھا جاتا تو وہ سمجھتا تھا کہ فلان جگہ سے فلاں جگہ جو تو نے پڑھا وہ تو قرآن تھا اور فلاں فلاں جگہ جو پڑھا وہ حدیث تھی، اور فلاں سے فلاں جگہ وہ کچھ نہیں تھا وہ لوگوں کا کلام تھا۔ پوچھا گیا آپ کو کیسے پتہ چلا؟ کہا جب قرآن پڑھا تو قرآن کی نورانیت اور انوار نظر آئے اور جب حدیث پڑھی تو وہاں بھی انوار نظر آئے لیکن قرآن سے کم اور جب آپ نے لوگوں کا پڑھا تو وہ اس سے خالی تھا۔

تو اللہ تعالیٰ نے جہاں دیکھنے کا حکم دیا وہاں تو ہمیں آنکھ کو بھی استعمال کرنا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دل کی آنکھ کو بھی استعمال کرنا ہے اور دل کی آنکھ جب استعمال ہوگی جب اس سے پہلے بندہ ذکر اللہ کی کثرت کریگا۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی آپ حضرات کو بھی ذکر کی بدولت فکر بھی نصیب فرمائے اور اولوالالباب میں شامل فرمائے۔ (آمین)

ایک عظیم نسخہ

اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہی کا استحضار

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ۔ اَمَّا بَعْد:

آدمی کو کوئی بیماری لگ جاتی ہے تو آدمی اس کے لئے فکر مند بھی ہوتا ہے اور کسی ماہر طبیب ڈاکٹر سے رابطہ بھی کرتا ہے اور اس کے نسخے کے اوقات کی رعایت کرتے ہوئے پابندی کے ساتھ استعمال کرتا ہے اگر کھانے یا دیگر امور کے سلسلے میں پرہیز کا مشورہ دیتا ہے تو اس پر پرہیز کی بھی پابندی کرتا ہے حالانکہ اس کے بتائے ہوئے نسخے پر نتیجہ مرتب ہونا کوئی یقینی نہیں، غالب گمان ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود آدمی اسکے نسخے کا استعمال کر کے اچھے نتیجے کا امیدوار رہتا ہے حالانکہ دنیا کی کوئی بھی بیماری (اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ عافیت کا معاملہ کرے آمین) وقتی ہے ختم ہونے والی ہے، کوئی مصیبت ہو یا راحت، صحت ہو یا بیماری، ہر چیز وقتی اور فانی ہے، مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ [النحل : 96] (جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جائیگا) صحت بھی ختم اور بیماری بھی ختم، موت کے ساتھ سارا ختم ہو ہی جاتا ہے۔

اس کے برعکس ہمارے اندر سینکڑوں یا اس سے بھی زیادہ بیماریاں موجود ہیں اور وہ ایسی بیماریاں ہیں کہ اگر انکا بروقت علاج نہیں کیا گیا (اللہ بچائے اللہ بچائے) تو اس کا انجام جہنم میں پہنچنا ہے۔ ان بیماریوں سے بچنے کے لئے اور ان بیماریوں کے انجام یعنی جہنم سے بچنے کے لئے رب کائنات نے بھی اپنے ایمان والے بندوں کے لئے نسخے تجویز فرمائے ہیں اور آپ کے حکم سے امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نسخے تجویز فرمائے ہیں وہ جو ڈاکٹروں کے نسخے ہوتے ہیں

ان پر عمل کرنے کے لئے پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے اور رب کائنات اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسخوں پر عمل کرنے کے لئے پیسہ بھی خرچ کرنا نہیں پڑتا ہے لیکن ان نسخوں کی نہ اہمیت ہے اور نہ ان کو استعمال کیا جاتا ہے ۔ڈاکٹروں کے نسخوں کو تو (خواہ گھر کا بڑا ہو، مرد ہوں عورتیں ہوں، استاذ ہوں، طلباء ہوں) سب اپنی اپنی حیثیت کے مطابق استعمال کررہے ہیں جب رب کائنات کے نسخوں کا معاملہ سامنے آتا ہے تو ہم غفلت کا معاملہ کرتے ہیں اور یہ غفلت بھی ایک بہت بڑی بیماری ہے۔

غرض رب کائنات نے قرآن پاک میں جگہ جگہ نسخے بیان فرمائے۔رب کائنات نے قرآن پاک کو شفاء بھی فرمایا اور ہے یقیناً شفاء۔فرمایا:

"وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ [الإسراء: 82]

(اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمانداروں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں)

ان ہی نسخوں میں سے ایک عظیم نسخہ جسکے استعمال کرنے کی مجھے بھی اور آپ میں سے ہر ہر فرد کو ضرورت ہے تاکہ ہمارے اندر جو یہ بے شمار بیماریاں ہیں ان بیماریوں سے ہم شفاء پاکر ہم کو جہنم سے نجات مل جائے اور وہ نسخہ ہے اللہ کی بارگاہ میں جواب دہی کا استحضار...!! ہر وقت مومن بندے کے دل ودماغ میں یہ بات گونجتی رہے کہ بھائی ایک وقت آنے والا ہے جب مجھے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوکر جواب دینا ہے (اس کی تفصیل پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے مواقع میں ارشاد فرمائی ہے[1] جس میں یہ بھی ہے کہ پوری زندگی کا، جوانی کا، صحت کا، مالداری کا، جواب دینا ہوگا) مثلاً استاذ ہے استاذ بچوں کو پڑھانے اور تربیت کا ذمہ دار ہے اس کی جوابدہی کا استحضار رکھے، اور سوچے کہ یہ پڑھانے کی جو ذمہ داری ہے یہ اللہ تعالیٰ کا بھی حکم ہے اور میں نے جو معاہدہ کیا ہے یا میں جو مشاہرہ لیتا ہوں اس کا بھی تقاضا ہے کہ میں اپنی طرف سے کوئی کمی نہ رکھوں وقت کی پابندی، کتابوں کا مطالعہ، بچوں کے ذہن میں بات

---

[1]. سنن الترمذی | أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. | بَابٌ: فِي الْقِيَامَةِ: عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ، وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ ".

اتارنے کی پوری کوشش وغیرہ، حفظ کا استاذ ہے پابندی اور دھیان کے ساتھ سبق اور پارہ سنے، گھر کا بڑا ہے اپنے بچوں، بچیوں کی صحیح تربیت، نمازوں کی پابندی (جو کہ بڑا اہم مسئلہ ہے) کا ذمہ دار ہے، یاد رہے ہم نماز میں تو آتے ہیں لیکن اپنے بچوں کو، گھر والوں کو، طلبہ کو جگاتے تو ہیں لیکن انہوں نے نماز ادا بھی کی ہے یا نہیں اس کا خیال نہیں رکھتے لہٰذا یہ جگانا کافی نہیں بلکہ سارے بچوں کو اپنے سامنے نماز کے لئے نکالے اور گھر کی عورتوں سے بعد میں پوچھے کہ نماز ادا کی یا نہیں؟ تو یہ جواب دہی کا استحضار ایک اہم معاملہ ہے جس کی ہر ایک کو ضرورت ہے جس قدر مومن بندے کے اندر اللہ کی بارگاہ میں جواب دہی کا استحضار ہوگا اسی اعتبار سے اس کے اعمال اچھے ہونگے، اس کے اندر تقوی آئے گا، گناہ چھوٹ جائیں گے، اعمال کی رغبت ہوگی اسی لئے قرآن نے اس کے اثر کو فوراً بیان کیا:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ (40) فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (41) [النازعات: 40-41]

(اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور اس نے اپنے نفس کو بری خواہش سے روکا۔ سو بیشک اس کا ٹھکانا بہشت ہی ہے)

آدمی کو جب جواب دہی کا استحضار نہیں ہوتا ہے تو ذرا سی سردی ذرا سی بارش ہو تو اسکو نماز میں نہ آنے کا بہانہ مل جاتا ہے، حالانکہ ذرا سی کوئی نقدی رقم ملنے والی ہو کتنی ہی زیادہ بارش برف گر رہی ہو شاید ہی کوئی جماعت چھوڑ دے، نماز کی تو بات ہی نہیں، اور خاص کر فجر کی نماز کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ منافق پر سب سے گراں فجر کی حاضری ہے[1] یہ منافقین کا معاملہ ہے لیکن بھاری گذرنے کے باوجود حاضری دیتے تھے اور ہم پر اتنی بھاری گذرتی ہے کہ ہم حاضر ہی نہیں ہوتے یعنی جتنی منافقین پر بھاری گذر رہی تھی اس سے زیادہ بھاری ہم پر گذر

---

[1]. صحیح البخاری | كِتَابُ الْأَذَانِ | بَابُ فَضْلِ الْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ:
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيْسَ صَلَاةٌ أَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ الْمُؤَذِّنَ فَيُقِيمَ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا يَؤُمُّ النَّاسَ، ثُمَّ آخُذَ شُعَلًا مِنْ نَارٍ فَأُحَرِّقَ عَلَى مَنْ لَا يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ بَعْدُ".
صحیح البخاری | كِتَابُ: مَوَاقِيتُ الصَّلَاةِ. | بَابُ ذِكْرِ الْعِشَاءِ وَالْعَتَمَةِ.

رہی ہے کیونکہ منافقین پر اتنی بھاری نہیں گذرتی ہے کہ وہ حاضری نہ دیں بلکہ حاضری دیتے تھے اپنا لحاظ رکھنے کے لئے کیونکہ ظاہراً کلمہ پڑھ لیا تھا اور ادھر ایمان والا اسکے دل کے اندر ایمان موجود اور پیوستہ ہے پھر بھی مسجد میں نہیں آتا، ذرا سا طلباء کو پتہ لگے کہ فلاں استاد تو اس سلسلے میں پوچھ گچھ کر سکتا ہے وہ تو آج ہے نہیں اور ملازمین کو پتہ لگے کہ ذمہ دار جو جواب طلبی کر سکتا ہے آج موجود نہیں ہے تو سستی کرتے ہیں، کیوں کہ جواب دہی کا استحضار نہیں ہے۔

تو بہر حال دنیا کے اندر کوئی طبیب (ڈاکٹر) جب کوئی نسخہ تجویز کرتا ہے اور اتنا بتا دیتا ہے کہ اگر یہ نسخہ استعمال کرو گے تو ان شاء اللہ شفاء ملے گی بس اس سے آگے کچھ نہیں، تو اس کا استعمال وقت کی پابندی کے ساتھ کیا جاتا ہے، پرہیز کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے اور دوسری طرف رب کائنات اور امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نسخہ تجویز فرمائے اور ساتھ ہی اس کے بارے میں فرمائیں کہ روحانی بیماریوں سے تو یقیناً شفا ملے گی ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ جنت بھی ملے گی، فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى ،اور جب جنت مل گئی تو گویا سب کچھ مل گیا۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ [فصلت : 31]

اور بہشت میں تمہارے لیے ہر چیز موجود ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تم جو وہاں مانگو گے ملے گا۔

اور جب جنت کا وعدہ فرمایا تو اس میں جہنم سے آزادی کا بھی وعدہ ہو گیا لیکن ہم غافل.....!!!

لہٰذا ہر ایک اپنے بارے میں سوچے کہ یہ جو اللہ پاک نے نسخہ تجویز فرمایا میں اس میں کس قدر مخالفت کرتا ہوں اور کس قدر میں اس پر عمل کرتا ہوں۔

ایک تو دوسرے کے سامنے آدمی بات بنائے اور دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش کرے اور مختلف قسم کے اعذار پیش کرے یہاں تو چلے گا۔ اول تو ہر جگہ چلتا نہیں بلکہ بعض مرتبہ باپ اپنی اولاد کے بارے میں، استاذ طلبہ کے بارے میں، ذمہ دار ماتحت کے بارے میں مصلحتاً خاموشی اختیار کر لیتا ہے لیکن یہ سمجھنا کہ میری بات چل گئی عقل کی کمی ہے۔ وہ تو تمہاری رعایت کرتا ہے اور اس کو معلوم ہے کہ جو تمہارے دل کے اندر ہے وہ اس کے ذمہ نہیں رہیگا اور اگر اس کا یہ عذر دنیا میں بظاہر چلا بھی لیکن

رب کائنات کے سامنے چلنے کانہیں.....!!!اس لئے ہرایک اپنا محاسبہ کرے کہ اللہ پاک کا یہ بتایا ہوا نسخہ میں کس قدر استعمال کرتا ہوں اور کہاں کہاں غفلت ہورہی ہے میری جو بھی ذمہ داری ہے اگر اللہ کی بارگاہ میں معاملہ پیش ہوگا تو میں بری الذمہ ہوسکتا ہوں کہ نہیں.....!!اپنے بچوں بچیوں کے بارے میں، اہل وعیال کے بارے میں اپنے دیگر ماتحتوں کے بارے میں، ہرایک سوچے اور تنہایوں میں سوچا کرے۔اسی لئے ہمارے اسلاف نے جہاں بہت ساری چیزیں نفس کی اصلاح کے لئے تجویز فرمائی ہیں تو وہاں محاسبہ بھی تجویز فرمایا۔حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے **حاسبوا قبل ان تحاسبوا** (اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ ہو)

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اپنا محاسبہ کرنے کی توفیق دے اور آپ کو بھی ، اللہ تعالیٰ تمام جسمانی روحانی بیماریوں سے شفاءعطا فرمائے، آپ حضرات کو بھی اور پوری امت کو بھی۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الحَمدُ وَلَکَ الشُّکرُ وَلَکَ الثَّنَآء الحَسَن، وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیرِ خَلقِ کُلِّہٖ۔اٰمین۔

*****

ہورہی ہے عمر مثل برف کم
چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم
سانس ہے اک رہرو ملک عدم
دفعتاً اک روز یہ جائے گا تھم
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کون سا استقبال چاہتے ہو.....!؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ:

بہت سارے مسافروں کو کسی ملک میں جانا ہوتا ہے تو جب وہ وہاں کے اسٹیشن یا ائر پورٹ پر اترنے کے وقت اترتے ہیں تو بسا اوقات بہت سارے لوگوں کو لینے کے لئے وہاں کے مقامی لوگ آتے ہیں کبھی حکومتی سطح کے اور کبھی عوامی سطح کے، جو حکومتی سطح کے آنے والے لوگ ہوتے ہیں وہ دو طرح کے ہوتے ہیں، کبھی تو کسی کے استقبال اور اس کو خوش آمدید کہنے کے لئے آتے ہیں جب وہ مسافر استقبال کرنے والوں اور خوش آمدید کہنے والوں کو دیکھتا ہے اور وہ اس کے ساتھ محبت، پیار اور بڑی ہی اپنائیت کے ساتھ ملتے ہیں، اس سے خیریت پوچھتے ہیں اسے خوش آمدید کہتے ہیں، تو بس اس مسافر کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی اگر اس سے پہلے اس کے دل کے اندر کچھ خدشات ہوں کچھ پریشانیاں ہوں (کہ میں نئی جگہ جا رہا ہوں جہاں نہ معلوم کیا معاملہ ہوگا) ان کو دیکھتے ہی اس کے سارے خدشات دور ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے سفر اور اپنی منزل تک پہنچنے کی کامیابی پر حد سے زیادہ خوش ہوتا ہے اور خوشی خوشی ان استقبال کرنے والوں اور خوش آمدید کہنے والوں کے ساتھ ہولیتا ہے اور جوں جوں وہ آگے بڑھتا جاتا ہے تو استقبال کرنے والوں اور خوش آمدید کہنے والوں میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کی خوشیوں میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

اس کے برعکس کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مسافر دور دراز علاقے سے آیا اب اس کے بارے میں حکومت کو بار بار، بار بار غلط قسم کی رپورٹیں آتی رہتی ہیں بغاوت کے انداز سے، قانون شکنی کے انداز سے وغیرہ وغیرہ۔ اب وہ اتفاقاً آج اس ملک میں آرہا ہے تو آنے سے پہلے ہی وہاں حکومت کا

عملہ اس کی گرفتاری کے لئے موجود ہوگا اور بڑی ڈراونی شکل کے اندر..... جوں ہی ان پر نظر پڑ گئی تو سب کچھ بھول گیا اور اس کو انتہاء سے زیادہ پریشانیوں اور بے چینیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اب تک جن مستیوں کے ساتھ، جن عیاشیوں، قانون شکنی کے ساتھ زندگی گزار رہا تھا سارا کا سارا بھول گیا اس معاملہ کو دیکھتے ہی اب وہ اترنا نہیں چاہتا ہے کیوں کہ وہ دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ میرے ساتھ کیا انجام ہونے والا ہے، لہٰذا اترنے کے لئے تیار ہی نہیں.....!! اب یہ حکومتی عملہ زبردستی اسکو گھسیٹتے ہیں کوئی گھسیٹ رہا ہے کوئی مار رہا ہے کوئی دھکے دے رہا ہے، اندازہ کریں کہ اس وقت اس کا حال کیا ہوگا؟ اور جوں ہی وہ اس کو گھسیٹتے ہوئے پیٹتے ہوئے دھکے دیتے ہوئے آگے لیتے جائیں گے اس کے رنج، اس کے غم اور اس کی پریشانیوں کا سلسلہ بڑھتا رہے گا اور اب تک کی ساری عیاشیاں بھول جاوے گا بس اسی طرح ہمارا معاملہ ہے ہم سب کے سب مسافر ہیں.....!!

سفر کیا ہے.....؟ آخرت کا سفر....!!!

اور ہم میں سے ہر ایک کی منزل... ہر ایک کا اسٹیشن... اپنے وقت پر آنے والا ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ رات میں آئے، دن میں آئے اور کہیں پہاڑ پر آئے، کہیں شہر میں آئے، کہیں گاؤں میں آئے، کہیں بظاہر اپنے وطن میں آئے، کہیں اجنبی وطن میں آئے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا اور کچھ خوش نصیب بندے ایسے ہوں گے جن کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرشتوں والا عملہ لینے کے لئے آئے گا اور بندے کو استقبال کریں گے خوش آمدید کہیں گے اور یہ کہہ کر ملیں گے۔

أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ (فصلت 30)

ترجمہ: کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور جنت میں خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

یعنی کوئی پریشانی نہیں سارے غم بھول جاؤ ساری پریشانیاں بھول جاؤ اور سارے خوف اپنے دل سے نکالو کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔

نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ (31) [فصلت: 30-31]

ترجمہ: ہم تمہارے دنیا میں بھی دوست تھے اور آخرت میں بھی اور بہشت میں تمہارے لیے ہر چیز موجود ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تم جو وہاں مانگو گے ملے گا۔

جس طرح جی چاہے جہاں جی چاہے اور جو جی چاہے سب کچھ پورا ہوگا جو کہو گے وہ بھی مل جائے گا اور جو تمہارے دل کے اندر کوئی بھی خواہش ہو آپ کی ہر خواہش اب پوری ہونے والی ہے۔

اب انکو دیکھتے ہی وہ اپنے پچھلے سارے غم بھول جائیگا اور آئندہ کے لئے اسکو بے چینی، طلب اور تڑپ پیدا ہوگی کہ کب میں ان کے ساتھ جاؤں اور اپنی منزل تک پہنچ جاؤں جس کے بارے میں یہ مجھے خوش خبریاں سنارہے ہیں۔

لیکن وہ جب ہوگا جب کہ بندہ جو ہے استحضار کے ساتھ زندگی گزارتا ہوگا کہ کوئی نہ کوئی وقت آئے گا کہ زندگی کا آخری اسٹیشن آئیگا اور مجھے خواہی نہ خواہی اترنا ہی پڑے گا اور اپنے کئے ہوئے کا اللہ کی بارگاہ میں جواب دینا پڑے گا اور اس کی وجہ سے وہ ہمیشہ احتیاط کی زندگی گزارا کرتا تھا اس کے لئے تو یہ معاملہ ہے۔

اس کے برعکس جو بندہ دنیا کے اندر سرکشی کرتا رہا، غفلت کے ساتھ جیتا رہا، نافرمانیوں کے ساتھ جیتا رہا اب جب اسٹیشن آ گیا تو اس کو لینے کے لئے فرشتوں کا سرکاری عملہ آرہا ہے لیکن چونکہ یہ مجرم ہے اس لئے مجرم ہونے کی حیثیت سے اس کو لینے کے لئے وہ فرشتے آرہے ہیں جن کی حالت اور ہیبت ہی اس طرح کی ہوگی انکا دیکھنا اس کے لئے عذاب کے واسطے کافی ہے وہ اس کے ساتھ کس طرح پیش آئیں گے اور کس طرح اس کو دھکے دیکر گھسیٹ کرلے جائیں گے احادیث میں امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں

لہٰذا ہم میں سے ہر ایک سوچے کہ وہ اس اسٹیشن سے اترنے کے وقت اپنی منزل تک پہنچنے کے وقت کس طرح کا استقبال چاہتا ہے....؟ اگر پہلا والا استقبال چاہتا ہے (اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے) تو ہمارے لئے لازم ہے کہ احتیاط اور استحضار کے ساتھ اپنی زندگی گزاریں اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ زندگی ایمان اور تقوی کے ساتھ گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اور جس دن ہمیں اس اسٹیشن سے اترنا ہو اور جس دن اس مسافر خانے سے جانا ہو وہ دن ہماری زندگی کا سب سے بہترین دن ہو (آمین)

اللھم لک الحمد و لک الشکر و لک الثناء الحسن۔ اللھم صل علی سیدنا محمد و علی ال سیدنا محمد و اصحاب سیدنا محمد و بارک و سلم علیھم

ایک ہی مارکیٹ ہے جہاں اس کی جانچ ہوگی

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ:

جب کوئی کارخانہ یا فیکٹری ہوتی ہے تو اس فیکٹری اور کارخانے سے مختلف چیزیں اور مختلف سامان تیار کئے جاتے ہیں، اور پھر ان چیزوں اور اس سامان کو مختلف بازاروں میں بکری کے لئے پیش کیا جاتا ہے، بعضے سامان بہت زیادہ قیمتی ہوتے ہیں جن کو ہر کوئی خرید ہی نہیں سکتا، بلکہ مخصوص جگہوں اور مارکیٹوں پر، مخصوص کمپنیاں ہی اس کو خرید سکتی ہیں جن فیکٹریوں اور کارخانوں کے ذریعہ وہ سامان تیار کیا جاتا ہے وہ بھی بہت زیادہ قیمتی ہوتا ہے، تو اس فیکٹری یا مشین کا مالک ان سے نکلنے والے سامان کو بڑی باریک بینی سے دیکھتا ہے اور میری فیکٹری سے، میرے کارخانے سے، میری مشین سے نکلنے والے کسی بھی سامان کے اندر کسی طرح کی کوئی ایسی خامی تو نہیں کہ یہ بازار میں چل نہ سکے اور وہاں سے اس کو واپس بھیجا جائے کیونکہ مارکیٹ میں جانے کے بعد باریک بینی سے اس کی چھان بین ہوگی اس کو باریک بینی سے دیکھا اور پرکھا جائیگا، تو بار بار، بار بار یہ اس سامان کی جانچ کرواتا ہے اور اگر کہیں کوئی خامی نظر آئی تو فیکٹری اور مشنری کے سامنے اعضا اور پرزوں کو بھی جانچ کراتا ہے اگر ان میں کوئی خامی نظر آئی تو کسی ماہر کے پاس پیش کیا جاتا ہے، مرمت کی جاتی ہے اور جب تک سامان اور وہ چیزیں صاف وشفاف نہ نکلیں اور بازار میں پیش کئے جانے کے قابل نہ ہوں کارخانے کے مالک کو اس وقت تک چین اور سکون نہیں آتا....!

پس اس مثال کو ذہن میں رکھ کر ہم اپنے وجود (جو اللہ کا بنایا ہوا ایک عظیم کارخانہ اور فیکٹری ہے) میں غور کریں کہ ہمارے اس عظیم کارخانے اور عظیم فیکٹری سے جو جو قیمتی سامان تیار ہوتا

ہے(اوراسی قیمتی سامان کو تیار کرنے کے لئے اللہ نے ہم کو قیمتی وجود عطا کیا ہے) وہ کیا کیا سامان تیار ہوتا ہے؟اور کتنا تیار ہوتا ہے؟ اور کیسا تیار ہوتا ہے؟ وہ آگے پیش کئے جانے کے لائق بھی ہے یا نہیں؟اور ہماری اس فیکٹری اور کارخانے سے نکلنے والا روزانہ کا سب سے زیادہ قیمتی سامان''ہماری نمازیں'' ہیں،جس کا اس فیکٹری سے تیار کیا جانا اللہ پاک نے لازم اوراہم ترین فرض قرار دیا ہے اور ہماری نماز کا خریدار اللہ کے سوا کوئی نہیں.....!اوراس کی بس ایک ہی مارکیٹ ہے جہاں اس کی جانچ ہوگی.....اور وہ میدان محشر ہے وہاں قیمت لگے گی.....!بعض کی قیمت پوری پوری، بعض کی آدھی ،بعض کی ایک تہائی ،بعض کی ایک چوتھائی اور بعض نمازوں کی قیمت لگے گی دسواں حصہ،اور بعض کورد کیا جائے گا (اللہ ہم سب کے حال پر رحم کرے)۔

اسی طرح اس فیکٹری سے نکلنے والی عظیم چیز قرآن کی تلاوت، اللہ کا ذکر، دعائیں ،اچھے اخلاق وغیرہ وغیرہ ہیں۔اس فیکٹری کے عظیم پرزے جیسے زبان،آنکھ،کان،دل ودماغ وغیرہ سے نکلنے والی ہر چیز (عمل) کو محفوظ کیا جاتا ہے اوران کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا اور جانچا جائے گا،اس کے بعدان کی قیمتیں لگیں گی۔

لہٰذا اپنے وجود کے بارے میں ہم کو تین چیزیں دیکھنی چاہیئے ،ایک یہ کہ ہماری اس عظیم فیکٹری سے کیا نکل رہا ہے...؟ دوسرے یہ کہ کیسا نکل رہا ہے...؟اور تیسرے یہ کہ کتنا نکل رہا ہے...؟اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا ہے کہ جن چیزوں کا اس کارخانہ سے نکالنا جرم تھا وہ کتنا نکل رہا ہے؟ آنکھ،زبان،ہاتھ،پیر،وغیرہ کے راستے سے کیا جرائم ہورہے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا

[الإسراء: 36]

ترجمہ: بیشک کان اورآنکھ اوردل ہرایک سے باز پرس ہوگی۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی سوچنے کی توفیق دے اور آپ حضرات کو بھی سوچنے کی توفیق دے، اوراپنی دی ہوئی عظیم نعمت اس جسم اوراس کے تمام قیمتی پرزوں سے نکلنے والے سامان (اعمال)

کو جانچنے پرکھنے اوران کو بہتر سے بہتر بنانے کی توفیق دے۔ اللھم لک الحمد و لک الشکر و لک الثناء الحسن۔ اللھم صل علی سیدنا محمد و علی الہ و اصحاب سیدنا محمد۔ اللھم بارک و سلم۔

اے ہمارے ظاہر اور باطن کو یکساں جاننے والے اللہ ہماری آنکھوں سے، ہماری زبانوں سے، ہمارے ہاتھوں، پیروں سے، ہمارے کانوں سے، ہمارے دل ودماغ سے، جو کچھ نکلتا ہے، اور جو کچھ سرزد ہوتا ہے، سب معاف فرمادے۔ ہم نے تیرے دیئے ہوئے ان عظیم پرزوں کا غلط استعمال کیا اور تیرے منع کرنے کے باجود بار بار کرتے رہے، میرے اللہ سب معاف کردے۔ معاف کردے، معاف کردے، اب معافی کے سوا کوئی راستہ نہیں، جو کچھ نہیں کرنا چاہئے تھا وہی کیا، بس معاف کردے، اور آئندہ ان عظیم پرزوں کو صحیح استعمال کرنے کی توفیق عطا کردے۔ میرے اللہ اس وجود سے اب اچھی نمازیں نکلیں، اچھی تلاوت نکلیں، اچھے اخلاق نکلیں۔ میرے اللہ ہماری ہر کجی کو دور کردے، ہم اپنے آپ کو تیری ہی بارگاہ میں درستگی کے لئے پیش کرتے ہیں، آپ ہمارے اس وجود کی ہر کجی کو دور کردے، ہر طرح کی درستگی عطا فرمادے، میرے اللہ اپنے سب پریشان حال بندوں اور بندیوں کی پریشانیوں کو دور کردے، جتنے بھی بیمار ہیں سب کو شفا دیدے، آپ شافیٔ مطلق ہیں سب کو شفا دیدے۔ جتنے بھی مقروض ہیں سب کے قرضوں کو ادا کردے، میرے عظیم اللہ بے اولادوں کو اولاد صالح دیدے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم

* * * * *

جس دن راز ہائے بستہ ظاہر کردیئے جائیں گے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْد:

اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور گناہوں کی وجہ سے بعض مرتبہ دنیا کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خطرہ رہتا ہے، جیسے اللہ پاک نے اس مبارک سورت (یعنی سورہ الحاقہ) کے اندر کئی قوموں کی تباہی اور بربادی کا انکے جرائم کی وجہ سے تذکرہ فرمایا اور اگر اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر اجتماعی عذاب سے حفاظت کی جیسا کہ پیغمبر علیہ السلام کی برکت سے یہ خصوصیت اس امت کو حاصل ہے کہ اجتماعی طور پر یہ امت عذاب کے اندر ہلاک نہیں کی جائے گی لیکن آخرت کا معاملہ تو بہر حال ہے اور اگر مرنے کے بعد کوئی بھی عذاب نہ ہوتا صرف یہ بات ہوتی جو قرآن پاک نے اس آیت کے اندر بیان کی یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰی مِنْكُمْ خَافِیَةٌ [الحاقة: 18] اس دن تم پیش کیے جاؤ گے تمہارا کوئی راز مخفی نہ رہے گا۔ بلکہ یَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ [الطارق: 9] جس دن بھید ظاہر کیے جائیں گے۔ تمام راز ہائے بستہ اور تمام پوشیدہ اعمال ظاہر کردیئے جائیں گے، اگر حساب و کتاب بھی نہ ہوتا اور عذاب کا بھی خطرہ نہ ہوتا صرف یہ ایک بات ہوتی کہ میدان محشر کے اندر ہمارے جرائم کو سارے لوگوں کے سامنے ظاہر کردیا جائے گا تو ایک ایمان والے

بندے کے ایمان کا تقاضا یہ تھا کہ وہ گناہ کرنے کا سوچتا بھی نہ۔ جہاں اولین وآخرین جمع ہونگے، جہاں میرے والدین ہونگے ،میرے بیوی بچے ہونگے، میرے اساتذہ ہونگے ، میرے شاگرد ہوں گے، میرے دوست ہونگے، میرے جاننے پہچاننے والے ہونگے اور جہاں ساری انسانیت آدمؑ سے لے کر قرب قیامت کے اخیر کے اندر پیدا ہونے والے شخص تک تمام انسان میدان محشر میں جمع ہونگے ، وہاں میری ساری زندگی ان کے سامنے کھول دی جائے گی، اگر صرف اتنا ہی ہوتا تو بھی مومن بندے کو گناہ کرنے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے چہ جائے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا ہونا اور اپنی ساری زندگی، اپنی ساری کمائی کا، اپنے خرچ، اپنے علم کا حساب دینا اور پھر اس حساب کے نتیجے میں یا تو جنت یا تو جہنم کے اندر جانے کا معاملہ...! یہ ساری چیزین ایمان والے بندوں کے سامنے ہیں اس کے باوجود ایمان والا بندہ گناہ کرے تو یہ ایمان کا تقاضا نہیں۔

ہم سے جو گناہ ہوتے رہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے بعد بلکہ موت کے بعد آنے والے جو مختلف مناظر ہیں وہ ہمارے سامنے نہیں رہتے ، ہم ان کو سوچتے نہیں اور کل قیامت کے دن بندے کا جب نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال لیتے ہی اپنے جان پہچان لوگوں کے سامنے پیش کر کے یوں کہے گا **هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ** (الحاقۃ:19) (لو میرا نامہ اعمال پڑھو) ۔لیکن یہ اثر کس کا ہوگا؟......اور اس پوزیشن اور حال میں ہوگا کیسے؟ کہ سب کے سامنے اپنا نامہ اعمال پیش کر کے پڑھنے کو کہہ رہا ہے، اللہ پاک نے اس کے بعد والی آیت میں اس کی وجہ بیان کی کہ وہ بندہ خود کہے گا کہ **إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ** [الحاقۃ:20] (بیشک میں سمجھتا تھا کہ میں اپنا حساب دیکھوں گا) میں اس یقین کے ساتھ دنیا کے اندر جی رہا تھا کہ میرا یہ سارا معاملہ میرے سامنے آنے والا ہے، مجھے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونا ہوگا، میری زندگی بھر کے سارے اعمال میرے سامنے آئیں گے، اور میرے اعمال کے بدلے میں میرے لئے جنت اور جنت کی ابدی نعمتوں کا فیصلہ

ہوگا یا پھر میرے جرائم کی وجہ سے (اللہ تعالیٰ بچائے اللہ تعالیٰ بچائے) اس جہنم کا فیصلہ ہوگا جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا [النساء: 56]

بیشک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا انہیں ہم آگ میں ڈال دیں گے جس وقت ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم انکو اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ عذاب چکھتے رہیں بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

اور اس منظر کو دیکھ کر بندہ تمنا کرے گا فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ (الحاقة:25) (تو کہے گا اے کاش میرا اعمال نامہ نہ ملتا) کاش کہ مجھے یہ فائل (اعمال کی) دی ہی نہ جاتی "وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ" (الحاقة:26) (اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے) مجھے پتہ ہی نہ چلتا اور یہ تمنا کریگا "يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ (الحاقة: 27) (کاش وہ (موت) خاتمہ کرنے والی ہوتی) کاش پہلی مرتبہ جو موت آئی تھی اسی نے سارا کام کرلیا ہوتا سارا فیصلہ اسی پر ہوا ہوتا۔ مجھے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہی نہ ہوتا۔

اس لئے مومن بندے کو چاہئے، ہر حال میں اپنے دل و دماغ کے اندر اس یقین کو بیدار رکھے ایک دن آنے والا ہے کہ مجھے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور قرآن پاک نے کھڑے ہونے والے لوگوں کی دو صورتیں بیان کیں اور دونوں کا انجام بھی بیان کیا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مجرم بن کر کھڑے ہونگے انکے لئے جہنم ہے۔

إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ [طه: 74]

بیشک جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا سو اس کے لیے دوزخ ہے جس میں نہ مرے گا اور نہ جیے گا۔ اور جو ایمان اور اعمال صالحہ کے ذخیرے کے ساتھ آئے گا

وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ○ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَن تَزَكَّىٰ [طه: 75-76]

اور جو اس کے پاس مومن ہو کر آئے گا حالانکہ اس نے اچھے کام بھی کیے ہوں تو ان کے لیے بلند مرتبے ہوں گے۔ ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ اس کی جزا ہے جو گناہ سے پاک ہوا۔

لہٰذا ہم میں سے ہر ایک اس بات کا اہتمام اور کوشش کرے کہ میں اللہ کی بارگاہ میں مجرم بن کر کھڑا نہ ہوں بلکہ مومن صالح بن کر کھڑا ہو جاؤں۔ اور اپنے گھر والوں کو بھی مجرمانہ زندگیوں سے باز رہنے کی تاکید کرے خود بھی مجرمانہ حرکات سے اپنے آپ کو بچانے کا بہت زیادہ اہتمام کرے اور ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ خود بھی جئے اور اپنے گھر والوں کو بھی ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ جینے کا سبق بار بار دیتا رہے۔ اللہ مجھے بھی نصیب فرمائے اور آپ حضرات کو بھی۔

اللھم لك الحمد ولك الشكر ولك الثناء الحسن۔

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی اٰلہ سیدنا

محمد واصحاب سیدنا محمد وبارك وسلم

*****

تو نہ چھوٹے مجھ سے یا رب تیرا چھٹنا ہے غضب

یوں میں راضی ہوں مجھے چاہے زمانہ چھوڑ دے

سرکش نفس اور اس کو قابو کرنے کا طریقہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ـ اَمَّا بَعْد:

ہمارے نفوس سرکش گھوڑے کی طرح ہیں، گھوڑے کی جب تک تربیت نہ ہو سدھایا ہوا نہ ہو تو آدمی اکثر بیشتر اس کو قابو میں کرنے کے لئے اسکی لگام کو اپنے ہاتھ میں تھامنے کے بجائے کسی اور کے ہاتھ میں دیدیتا ہے، اور اس کے ذریعہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے، یہی معاملہ ہمارے نفوس کا ہے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کا ارشاد قرآن پاک میں نقل کیا گیا ہے۔

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ [یوسف: 53]

ترجمہ: اور میں اپنے نفس کو پاک نہیں کہتا بیشک نفس تو برائی سکھاتا ہے مگر جس پر میرا رب مہربانی کرے بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

جہاں بھی ہم غور سے دیکھیں گے بہت سارے وہ کام جو ہم کو کرنے چاہئے تھے نہیں کرتے تو اس میں اسی سرکش نفس کا دخل ہوگا اور بہت سے وہ کام جن سے ہم کو بچنا چاہئے ان سے نہیں بچتے، تو یہاں بھی اسی سرکش نفس کا دخل ہے اس نفس کی سرکشی کو توڑنے کے لئے آدمی کو مجاہدے کرنے پڑتے ہیں آدمی کو اپنے نفس کی مہار کسی اور ماہر کے ہاتھ میں تھمانی ہوتی ہے اور وہ جس طرح چلائے، جہاں چلائے چلے اپنی رائے کو اس کی رائے میں فنا کردے اور خود رائی سے کام نہ لے کیوں کہ خود رائی کا مرض بہت ہی خطرناک مرض ہے۔

اسی لئے اس کو قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت قرار دیا گیا اِعجَابُ کلِّ ذِي

رَای بِرَ ایہ[1] ہر رائے والا بس صرف اپنی ہی رائے کو حرف آخر سمجھتا ہو۔

غرض ہمارا نفس سرکش ہے اور سرکشی دکھلاتا ہے۔ جس کی وجہ سے بہت ساری بھلائیوں سے ہم محروم رہتے ہیں اور بہت ساری مصیبتوں کے اندر (اُخروی اعتبار سے) پھنس جاتے ہیں، اور نفس کا معاملہ بہت ہی اہم ہے بلکہ سارا مدار ہی نفس پر ہے اگر کسی کا نفس قابو میں آ گیا اس کے لئے پھر منزل تک پہنچنا کوئی مشکل نہیں (اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے) لیکن جب تک نفس سرکشی میں ہے اور اس کی لگام ڈھیلی ہے تو یہ ہلاکت ہی کی طرف لے جائے گا اس لئے قرآن مقدس میں جہاں جہاں قسمیں کھائی گئی ہیں کہیں ایک کہیں دو تین، تقریباً سب سے زیادہ قسمیں اللہ پاک نے جو کھائی ہیں وہ اس بات پر ہیں کہ کامیابی اسی کے لئے ہے جس نے اپنے نفس کی سرکشی کو توڑا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرایا:

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا (1) وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا (2) وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا (3) وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا (4) وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا (5) وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا (6) وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا (7) فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (8) قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا (9) [الشمس: 1-9]

ترجمہ: سورج کی اور اس کی دھوپ کی قسم ہے۔ اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آئے۔ اور دن کی جب وہ اس کو روشن کر دے۔ اور رات کی جب وہ اس کو ڈھانپ لے۔ اور آسمان کی اور اس کی جس نے اس کو بنایا۔ اور زمین اور اس کی جس نے اس کو بچھایا۔ اور جان کی اور اس کی جس نے اس کو درست کیا۔ پھر اس کو اس کی بدی اور نیکی سمجھائی۔ بیشک وہ کامیاب ہوا جس نے اپنی روح کو پاک کرلیا۔

بالتحقیق کامیاب ہوگیا وہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا، اس کا تزکیہ کیا لہٰذا تزکیہ فرض ہے، امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو قرآن پاک میں منصب بیان کیا گیا ہے اس میں تلاوت آیات،

---

[1] سنن ابن ماجہ/الفتن ۲۱۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ جَارِيَةَ اللَّخْمِيُّ، عَنْ أَبِي أُمَيَّةَ الشَّعْبَانِيِّ، قَالَ: أَتَيْتُ أَبَا ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيَّ، فَقُلْتُ لَهُ: كَيْفَ تَصْنَعُ بِهَذِهِ الْآيَةِ؟ قَالَ: أَيَّةُ آيَةٍ؟ قُلْتُ: قَوْلُهُ تَعَالَى: يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ سورة المائدة آية 105، قَالَ: أَمَا وَاللَّهِ لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْهَا خَبِيرًا، سَأَلْتُ عَنْهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "بَلِ ائْتَمِرُوا بِالْمَعْرُوفِ، وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ، حَتَّى إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا، وَهَوًى مُتَّبَعًا، وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً، وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ فَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعِ الْعَوَامَّ، فَإِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامًا الصَّبْرُ فِيهِنَّ مِثْلُ الْقَبْضِ عَلَى الْجَمْرِ، لِلْعَامِلِ فِيهِنَّ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِكُمْ".

تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ۔ تزکیہ کے بغیر آدمی کی عبادت اور ہر چیز خطرے میں اور تزکیہ کے بعد اگر انسان کوئی دنیا کا بھی کام کرتا ہے تو وہ دین والا کام بن جاتا ہے اور جب تک تزکیہ نہ ہو تو بعض مرتبہ بالکل دین والا کام بھی جرم بن جاتا ہے۔ (جیسا کی حدیث میں آیا ہے کہ مجاہد، سخی اور عالم کو اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے جہنم میں ڈال دینے کا حکم دیا گیا) عبادات کے باوجود جب تک نفس میں تزکیہ نہ ہو جہنم میں جاسکتا ہے، مثلاً ایک انسان کے اندر کبر ہے تکبر ہے، یہ بہت بڑا باطنی کینسر ہے اور تکبر کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبر کی برائی بیان فرماتے ہوئے فرمایا **لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر**[1] (یعنی وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا ہے جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو) تو ایک صحابی نے عرض کیا **ان الرجل یحب ان یکون ثوبہ حسنا و نعلہ حسنا**[2] اے اللہ کے نبی آدمی کا جی چاہتا ہے کہ میرا لباس اچھا ہو اس کے جوتے اچھے ہوں وغیرہ وغیرہ، کیا یہ بھی کبر میں داخل ہے؟ فرمایا نہیں، **اِن اللہ جمیل ویحب الجمال، اَلْکِبْرُ بَطْرُ الْحَقِ وغَمْطُ النَّاس (مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۶۵)** فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہیں اور جمال کو پسند کرتے ہیں کبر یہ ہے کہ حق جاننے کے باوجود قبول نہ کیا جائے کہ فلاں آدمی جو مجھے بات کہہ رہا ہے وہ حق ہے لیکن اندر کا جو نفس ہے وہ قبول کرنے نہیں دیتا ہے ، اس کو اپنی توہین سمجھتا ہے، یہ تکبر ہے، **وغمط الناس** اور لوگوں کو حقیر سمجھنا، یہ ہے تکبر کی حقیقت ہے، آدمی بار بار، بار بار اپنے کو ٹٹولتا رہے کہیں خدانخواستہ تکبر کے کینسر میں مبتلا تو نہیں ، کینہ میں مبتلا تو نہیں حدیث میں آیا ہے کہ کینہ پرور بخشا نہیں جائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی طرف سے کوئی معاملہ پیش آیا وقتی طور پر کچھ بدلہ نہیں لے سکتا بس دل میں کینہ کو جگہ دی جہاں موقعہ ملا ہاتھ، زبان کے ذریعہ کسی نہ کسی طریقے سے اپنے اس کینے کا اظہار کیا، اسی طرح حسد کی بیماری ہے، شہرت کی محبت کا کینسر ہے، ریا کا کینسر ہے، وغیرہ وغیرہ۔

تو ہمارے نفوس جو ہیں یہ سرکش گھوڑے کی طرح ہیں اسی لئے ہمارے اکابرین اسلاف

---

[1]. صحیح مسلم | كِتَابٌ : الْإِيمَانُ | بَابٌ : تَحْرِيمُ الْكِبْرِ وَبَيَانُهُ:
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : " لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ ". قَالَ رَجُلٌ : إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً. قَالَ : " إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ، وَغَمْطُ النَّاسِ ".

[2]

جب مدارس کے ظاہری علوم سے فارغ ہوتے تھے حالانکہ ان کی طالب علمانہ زندگی سراپا تقوی، سراپا عمل، اخلاص اور تواضع.....! لیکن اس کے باوجود کچھ عرصہ اپنے نفوس کی لگام کسی اور کے ہاتھ میں تھما دیتے تھے اور بڑے بڑے ہمارے اسلاف جن کے نام لینے پر ہم فخر محسوس کرتے ہیں، حضرت حکیم الامت تھانویؒ، حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ، امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہ، ان سب نے اپنے نفوس کی لگام اللہ کے ایک مخصوص بندے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ہاتھ میں کافی عرصے تک تھما دی اور ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہمیں کوئی نظر ہی نہیں آتا ۔ یہ بھی ایک بہت بڑی بیماری ہے، حضرت تھانویؒ نے جگہ جگہ فرمایا کہ آدمی کو جسم کی بیماری لگ جائے وہاں یہ نہیں دیکھتا ہے کہ پہلے جیسے بڑے بڑے ڈاکٹروں اور ماہروں اور طبیبوں سے علاج کرائے (جواب دنیا میں موجود ہی نہیں) بلکہ جیسا بھی جہاں موجود ہوتا ہے اس کے ذریعہ سے علاج کرواتا ہے، لیکن باطنی بیماریوں کے بارے میں نہ معلوم کس چیز کا انتظار ہے اپنے سے کوئی اچھا نظر آتا ہی نہیں۔ یہ بہت بڑی بیماری ہے، بہت بڑا کینسر ہے، اس کا بھی علاج ضروری ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کینسر سے میری بھی آپ حضرات کی بھی اور پوری امت کی حفاظت فرمائے اور ہمارے نفوس کی سرکشی کو توڑنے کے لئے وہ کچھ کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس سے اس کی سرکشی جاتی رہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کے اندر صحیح طلب عطا فرمائے، ہماری سستی کو دور کرے، اللہ ہم سے اپنے دین کا کام اخلاص کے ساتھ لے لے، اللہ تعالیٰ ہماری زندگی کے ہر ہر قدم پر ہماری مدد فرمائے اور کامل اخلاص عطا فرمائے۔ (آمین)

*****

بھروسہ کچھ نہیں اس نفس امارہ کا اے زاہد!

فرشتہ بھی یہ ہو جائے تو اس سے بدگماں رہنا

(مجذوبؒ)

اے انسان! کیا تو نے کبھی سوچا؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ:

قرآن پاک میں بعض آیات کے اندر کچھ ایسے احکام دئے گئے ہیں جن احکام کا تعلق کفار سے بھی ہے اور مسلمانوں سے بھی ہے، البتہ حیثیت کا فرق ہے۔ جیسے:

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ (24) أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا (25) ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا (26) فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا (27) وَعِنَبًا وَقَضْبًا (28) وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا (29) وَحَدَائِقَ غُلْبًا (30) وَفَاكِهَةً وَأَبًّا (31) مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ (32) [عبس: 24-32]

ترجمہ: پس انسان کو اپنے کھانے کی طرف غور کرنا چاہیے۔ کہ ہم نے اوپر سے مینہ برسایا، پھر ہم نے زمین کو چیر کر پھاڑا، پھر ہم نے اس میں اناج اُگایا، اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغ اور میوے اور گھاس تمہارے لیے اور تمہارے چوپایوں کے لیے سامان حیات۔

یعنی انسان کو چاہیے کہ اپنی کھانے پینے کی چیزوں میں غور کرے، کس انداز سے ہم نے ان کو بنایا؟ کیسے بارش برسائی؟ کیسے زمین کے اندرون کو حرارت پہنچا دی؟ کیسے زمین پھاڑی؟ اور اس طرح مختلف مراحل سے گذر کر یہ انسان کے لئے غذا کی چیز تیار ہو گئی۔

کفار کے لئے یہ حکم اس لئے ہے تا کہ وہ اللہ کی قدرت پر یقین کریں اور جس چیز کو وہ ناممکن اور محال سمجھتے ہیں اس کا وہ یقین کرلیں اور مومنوں کے لئے یہ حکم اس لئے ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ان کو اور زیادہ حاصل ہو کیونکہ مومن بندہ تو بہر حال ایمان والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو مانتا ہے

اورمرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کووغیرہ وغیرہ جتنے بھی مراحل ہیں سب کوعقیدہ کی وجہ سے مان لیتاہے،اس لئے اس حیثیت سے ان کوغور کرنے کی ضرورت ہے۔

قرآن میں جہاں حکم ہے نماز،تلاوت،ذکراور دوسرے احکام کا وہیں اللہ تعالیٰ نے غوروفکر کا بھی حکم دیا ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا:

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ (5) خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ (6) يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ (7) إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ (8) يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ (9) فَمَا لَهُ مِن قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ (10) [الطارق: 5-10]

''پس انسان کودیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔بیشک وہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے۔جس دن بھید ظاہر کیے جائیں گے۔تو اس کے لیے نہ کوئی طاقت ہوگی اور نہ کوئی مددگار''۔

یعنی انسان اپنی اصل حقیقت کوسن لے،سمجھ لے تاکہ کبھی نہ اتراوے اورفخر،گھمنڈ اورتکبر کے اندر مبتلا نہ ہواس کو اپنے کمالات پرنظر نہ جائے بلکہ اپنی اصلیت پرنظر جائے کہ میری اصل کیا ہے،اللہ پاک نے اپنی قدرت سے کس چیز سے پیدا کیا،جب میری ابتدا اورانتہا یہ ہے تو مجھے فخر کرنا اوراترانا اورتکبر کرنا زیب نہیں دیتا۔

کفار کے لئے یہ حکم اس لئے تاکہ وہ اللہ کی قدرت پر یقین کریں اوروہ ناممکن کوممکن سمجھ لیں اور مؤمنوں کے لئے یہ حکم اس لئے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ان کواور زیادہ حاصل ہواورفخر،گھمنڈ اور تکبر کے اندر مبتلا نہ ہوں۔معلوم ہوا کہ قران پاک کے بعضے احکام مشترک ہیں البتہ حیثیت کا فرق ہے،لیکن بہت بڑی محرومی ہے کہ مومن بندہ قرآن پاک کے اندرغوروفکر کرنے سے محروم رہتا ہے خصوصیت کے ساتھ جن کواللہ نے قرآن کاعلم دیا پھر بھی غوروفکر کی توفیق نہ ہو بہت بڑی محرومی ہے یہ!

ایک عام آدمی جس کے اندرقرآن کوسمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اس کا قصور یہ ہے کہ دنیا

کے سارے علوم کو پڑھ لیا لیکن سب سے عظیم علم جس پر دنیا اور آخرت کی کامیابی کا مدار ہے اس سے محروم! لیکن جس کو اللہ پاک نے یہ چیز یعنی قرآن پاک کو سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائی اور اسکے باوجود بھی وہ قرآن پاک کے اندر غور کرنے سے محروم رہ جائے اس کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے؟ مومن بندے کے لئے قرآن کے حقوق میں سے اہم حق یہ بھی ہے کہ قرآن کے اندر غور وفکر کرے اور اس کے بعد قرآن کے اندر جو احکام دئے گئے ہیں اپنے اندر غور کرے کہ کون کون سا حکم ایسا ہے کہ جس پر اللہ کے فضل سے میرا عمل ہے اور کون کون سے احکام ایسے ہیں جن پر عمل کرنے سے ابھی تک محروم ہوں۔

لہٰذا مومن بندے کو چاہئے کہ قرآن کے اندر غور وفکر کرے اور اللہ سے مانگے خوب مانگے یا اللہ! قرآن کے لئے میرے دل کو کھول دے۔ اور قرآن کو میرے دل پر کھول دے۔ اور اس کے لئے مستقل محنت بھی کرے، خاص کر طلباء! کہ وہ دوسری کتابوں پر محنتیں کرتے ہیں لیکن ساری محنتیں جو ہیں چاہے وہ نحو کا معاملہ ہو، صرف کا معاملہ ہو اور دوسرے جو علوم وفنون پڑھنے کا معاملہ ہو وہ سارے کے سارے قرآن پاک کی خدام کی حیثیت رکھتے ہیں، اصل تو قرآن ہے، اور قران ہی سے مومن بندہ خدانخواستہ محروم رہ جائے تو کیا فائدہ...، اس لئے جتنے بھی طلباء ہوں اس عظیم کتاب کو سمجھنے کی ٹھان ہی لیں چاہے قرآن پاک کا امتحان ہو یا نہ ہو۔

جو طلباء آخری درجات میں ہوتے ہیں جیسے جلالین شریف، مشکوٰۃ شریف، دورہ وغیرہ وہ قرآن پاک کی طرف وہ دھیان نہیں رکھتے جو ہونا چاہیے اور سمجھتے ہیں کہ اب چونکہ امتحان نہیں ہے لہذا اب ضرورت نہیں۔ یہ ایک بہت بڑا مغالطہ اور بہت بڑا دھوکہ اور نقصان کی چیز ہے کہ آدمی محنت کرے تاکہ امتحان میں کامیاب ہو، نہ کہ اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے....!! حدیث میں آیا ہے اور یہ بات بار بار عرض کی جاتی ہے "**انما الاعمال بالنیات**"[1] کہ

---

[1]. صحیح البخاری ا؍بَابٌ: كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟
سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا، أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ ". صحیح مسلم

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی جب امتحان کی تیاری کی نیت سے محنت کرر ہا ہے تو ثمرہ تو ملے گا امتحان میں کامیاب ہوگا، لیکن جو اصل مقصد تھا پڑھنے کا اس کی نیت نہ کی تو اس چیز سے محروم رہ سکتا ہے۔

غرض نحو وصرف پڑھنے سے مقصد اصل قرآن کا سمجھنا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہدایات کو سمجھنا پھر ان پر عمل پیرا ہونا۔

لہٰذا مومن بندہ ہمیشہ اپنی نیت کا استحضار بھی کرے اور اس کی تجدید بھی کرتا رہے۔ بعض مرتبہ آدمی نے ایک مرتبہ نیت کر لی اب بغیر نیت کے چل رہا ہے، اس لئے اپنی نیت کی بھی کبھی کبھی تجدید کرنی چاہیے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کا ارشاد ہے بہت ہی کام کا ہے۔ فرمایا کہ مسلمان بدنیت نہیں ہوتا بے نیت ہوتا ہے۔ خاص کر دین کا کوئی کام ہو، کوئی عمل ہو اس کو مسلمان کسی غلط نیت سے نہیں کرتا (اکثر و بیشتر)، ہاں بے نیت ہوتا...! کر رہا ہے لیکن اندر کچھ نیت نہیں۔ مثلاً استاذ مطالعہ کر رہا ہے خواہ قرآن کا ہو یا دوسری کتابوں کا، اس غرض سے کہ طلباء کو پڑھانا ہے یہ کافی نہیں ہے اور یہ نیت بھی کافی نہیں ہے کہ یہ طلباء کا حق ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ نیت کرے کہ اس سے میرے علوم میں اور اضافہ ہو اور میں اس قرآن کو اپنی زندگی میں جگہ دوں گا اور جس قدر نیت صاف وشفاف ہوگی اور جس قدر اس کے اندر وسعت ہوگی اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہوگا اور اسی اعتبار سے قرآن کے علوم عطا ہونگے۔

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ بہت ساری آیات ایسی ہیں جن کا تعلق ایمان والے سے بھی ہے اور غیر ایمان والے سے بھی البتہ حیثیت الگ الگ ہے۔ اب ہم میں سے ہر ایک سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو غور وفکر کرنے کا حکم دیا تھا اس پر میں نے آج تک کس حد تک عمل کیا اور کس حد تک نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی آپ حضرات کو بھی اور پوری امت کو بھی قرآنی آیات کو سمجھ کر ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

* * * * *

باقی رہنے والا اور ختم ہونے والا

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ:

فقال اللہ تعالیٰ: مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ [النحل: 96]

(جو کچھ تمہارے پاس [دنیا میں] ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم ہے [وہ باقی ہے])۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے اس میں سب کچھ آ گیا، ہماری زندگی بھی آ گئی، ہماری جوانی بھی آ گئی، ہماری مختلف قسم کی صلاحیتیں بھی آ گئیں، ہماری آنکھوں کی روشنی، کانوں کا سننا، زبان کا بولنا، دماغ کا سوچنا، ہاتھ پیر کی نقل و حرکات، یہ ساری کی ساری ختم ہونے والی ہے "وما عنداللہ باق" اور اس کے برعکس جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ سب باقی ہے۔

اب ہمارے پاس جو ختم ہونے والی چیز ہے وہ تو ختم ہوگی ہی، لیکن ان کے بدلے میں جو کچھ ہم حاصل کریں اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ بعضی چیزیں وہ ہیں جو ختم ہونے والی ہیں جیسے ہم نے زندگی دیدی، یا زندگی کا کوئی حصہ دے دیا، جوانی دیدی یا جوانی کا کوئی حصہ دے دیا اور اس کے بدلے میں ایسی چیز حاصل کر لی جو ہمارے پاس رہی، جیسے ایک طالب علم نے بیس پچیس سال لگا کر ڈگری حاصل کر لی، ظاہر بات ہے کہ یہ ڈگری اس کے پاس رہی، ایک بندے نے بیس تیس سال میں ملازمت کی یا اور کسی کام میں لگ گیا اور ایک لاکھ، ایک کروڑ، دس کروڑ، تو وہ بھی اس کے پاس ہیں۔

تو اپنی صلاحیت، اپنی جوانی کو لگا کر جو کچھ حاصل کیا اگر اپنے پاس رکھا تو یہ بھی "مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ" کے اندر ہے یہ ختم ہوگا، لیکن اگر زندگی کو، اس جوانی کو جو ہمارے پاس ہے اس کو صرف کر کے جو کچھ اس کے بدلے میں لیا اس کو اللہ کے یہاں بھیج دیا تو اب وہ ما عند

اللہ باق کے اندر شامل ہوا، مثلاً ہم نے نماز فجر ادا کی اس میں ہمارے دس منٹ یا پندرہ منٹ لگ گئے، اب اس کے بدلے میں جو کچھ چیز مل گئی وہ تو ہمارے پاس ہے نہیں اسوقت، اگر کوئی سوچے کہ میں نے پندرہ منٹ لگائے، میں نے رکوع کیا، میں نے قیام کیا، میں نے سجدے کئے، میں نے قرأت سنی وغیرہ وغیرہ تو اپنے پاس تلاش کرے گا تو کوئی چیز نہیں ملے گی بلکہ یہ مَا عِنۡدَ اللہ ہوگئی، اللہ کی رحمت سے امید کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس پہنچ گئی، جب ہماری یہ نماز اللہ کے پاس پہنچ گئی تو ان شاء اللہ مَا عِنۡدَ اللہ بَاق میں شامل ہوگئی، اب اللہ کے پاس ہے اور باقی رہے گی اسی طرح ہم نے تسبیح پڑھ لی، دس منٹ ہم نے ذکر کیا، دس منٹ ہم نے لگائے جو مَا عِنۡدَ کُمۡ جو ہمارا تھا ان دس منٹ کو تو ختم ہونا ہی تھا لیکن اس ختم ہونے والے دس منٹ کے بدلے میں ہم نے اخلاص کے ساتھ جو کچھ حاصل کیا وہ اللہ کے پاس پہنچ گیا اب وہ باقی ہے۔

تو غرض یہ ہے کہ جو بھی کچھ ہمارے پاس ہے وہ وقتی ہے ختم ہونے والا ہے، لیکن اس ختم ہونے والی چیز کے بدلہ میں جو کچھ ہم حاصل کر رہے ہیں اور اس ختم ہونے والی زندگی اور اس ختم ہونے والی صلاحیتں جس چیز پر ہم صرف کر رہے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ بھی ہمارے پاس ہی رہ رہے ہیں یا وہ اللہ کے پاس پہنچ گئی ہے۔ اگر وہ ہمارے پاس رہ رہی ہیں پھر تو وہ مَا عِنۡدَ کُمۡ یَنۡفَد کے اندر شامل ہے اور اگر وہ اللہ کے پاس پہنچ گئی تو پھر باقی ہے۔

جہاں یہ نیکیوں کا معاملہ ہے، وہاں (اللہ ہمارے حفاظت فرمائیں) اگر خدانخواستہ یہ دس منٹ کسی گناہ میں لگائے تو اس گناہ کو اللہ کے فرشتے نے لکھ لیا، اب اگر سچی توبہ نہیں کی تو اللہ کے پاس پہنچ گئے اور "وَمَن یَعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَرَهُ"[الزلزلة: 8] (اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا) کے اندر داخل ہوگئی۔

اس لئے مومن بندہ ہمیشہ اس تصور کے ساتھ زندگی گزارے، جوانی گزارے، صلاحتیں استعمال کرلے جو میرے پاس یہ زندگی ہے یہ ختم ہونے والی ہے، ٹھیک ہے کچھ

ایسی چیزیں بھی ہیں جو ہماری زندگی کی ضروریات سے تعلق رکھتی ہیں وہ تو ہمارے پاس رہیں گی ہی لیکن اگر ان کو بھی اچھے جذبہ کے تحت آدمی حاصل کرے تو وہ بھی وَمَا عِنْدَاللّٰهِ بَاقٍ کے اندر شامل ہوسکتی ہیں۔لہٰذا اکثر ہماری زندگی کا حصہ جو ہے وہ اس انداز سے استعمال ہو کہ جو کچھ اس کے بدلے میں ہے وہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچ کر "مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ" کے اندر شامل ہوجاوے۔ اس کے لئے ایک تو مومن بندے کو اپنی نیت کو درست کرنا ہے۔ نیت کی درستگی کی بنیاد پر جو کچھ بھی ہمیں اُس زندگی میں اِس زندگی کے ختم ہونے کے بعد ملے گا، اگر ہماری نیت درست ہو اور شرعی حدود کے اندر ہر معاملے کو انجام دیتے رہے تو امید ہے کہ ہماری زندگی کا بہت سارا حصہ بلکہ سارا حصہ جو ہے "مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ" میں شامل ہوجاوے گا۔ لیکن اگر ہم نے زندگیاں غفلت کے ساتھ گزاریں جیسے ہماری زندگیاں غفلت کے ساتھ گذر رہی ہیں تو خسارے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ اپنی زندگیوں کو صحیح استعمال کریں اور ہماری زندگی اس طرح گزرے کہ زندگی کے بدلہ جو کچھ ملے وہ ما عند اللہ باقٍ میں شامل ہو۔

اللہ مجھے بھی عطا فرمائیں اور آپ حضرات کو بھی عطا فرمائیں۔

*****

تمنا ہے کہ اب ایسی جگہ کوئی کہیں ہوتی
اکیلا بیٹھے رہتا یاد ان کی دلنشیں ہوتی

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ:

ایک ہے کسی چیز کے نہ ہونے کا احساس اور ایک ہے کسی چیز کے ہونے کا احساس۔ نہ ہونے کا احساس ہم کو بہت رہتا ہے۔ مثلاً کپڑے کے اندر یا لباس کے اعتبار سے کوئی کمی ہو تو اس کا احساس ہے، مکان کے اعتبار سے کمی ہو تو اس کا احساس ہے، سواری کے اعتبار سے کمی ہو تو اس کا احساس ہے، آمدنی کے اعتبار سے کمی ہو تو اس کا احساس ہے، مطلب یہ ہے کہ بہت ساری ایسی چیزیں ہیں جن کے نہ ہونے کا احساس تو ہوتا ہے، لیکن جو چیزیں ہیں ان کے ہونے کا احساس بہت کم، حالانکہ ضرورت ہے جو چیزیں ہمارے پاس ہیں ان کے ہونے کا احساس رہے۔ جب ہونے کا احساس ہوگا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا اور جب شکر کرے گا جو نہ ہونے کا معاملہ ہے اللہ تعالیٰ اسکو بھی عطا کریں گے لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ [ابراھیم: 7] (اگر تم شکر گزاری کرو گے تو اور زیادہ دوں گا) کا تو وعدہ ہے۔ اور کوئی بندہ ایسا نہیں جس کے پاس ایسی چیز نہ ہو کہ جس کے ہونے کا اس کو احساس ہونا چاہئے۔ ہر بندے کے پاس بے شمار ایسی چیزیں ہے جن کے ہونے کا احساس بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔

مثلاً ''صحت'' جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک عظیم نعمت ہے اس کے ہونے کا احساس، آنکھوں کے ہونے کا احساس، زبان کے ہونے کا احساس، کانوں کے ہونے کا احساس، ہاتھ پیر کے ہونے کا احساس، دل و دماغ کے ہونے کا احساس، جسم کے اندر عافیت کے ہونے کا احساس، جس قدر اللہ پاک نے نعمتیں دی ہیں ان کے ہونے کا احساس، مکان دیا ہے اس کے

ہونے کا احساس، سواری دی ہے اس کے ہونے کا احساس، جتنی بھی آمدنی ہے اس کے ہونے کا احساس، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کھانے کو دے رہا ہے، پینے کو دے رہا ہے، رہنے کو دے رہا ہے، سونے کو دے رہا ہے اس کا احساس، آدمی راحت کی نیند سوتا ہے بہت بڑی نعمت ہے اس کے ہونے کا احساس، جب خدانخواستہ کسی کی نیند چھن جاتی ہے اور یہ سکون والی نیند جاتی ہے اب اس کو احساس ہوتا ہے، لیکن ضرورت ہے کہ جب یہ چیزیں موجود ہوں اور پھر ان کا احساس رہے، اس وقت آدمی اس کا شکر کرے۔ سب سے عظیم نعمت جو اللہ پاک نے ہم سب کو عطا فرمائی ہے، وہ ہے مومن ہونے کا احساس، اس کا شکر ادا کرتا رہے۔

ہاں اگر نہ ہونے کا احساس کرنا ہی ہے تو پھر وہ دینی اعتبار سے جو ہماری اندر کمیاں ہیں اس کا احساس ہونا چاہئے۔ مثلاً تلاوت کی پابندی نہ ہونے کا احساس، ذکر کی پابندی کے نہ ہونے کا احساس، تہجد میں پابندی سے نہ اٹھنے کا احساس۔ دعا کما حقہ نہ کرنے کا احساس، وغیرہ وغیرہ۔

تو بہت ساری ایسی چیزیں ہیں جن کے ہونے کا احساس اپنے اندر بیدار رکھنے کی ضرورت ہے۔ جب انسان ان کے احساس کو بیدار رکھے گا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اضافہ کروں گا۔ اگر مومن بندہ زندگی کے آخر لمحے تک اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا احساس قائم رکھے گا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے گا تو اللہ کا وعدہ ہے لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ شکر کرو گے تو زیادہ دوں گا۔ جو آدمی زندگی کے آخری لمحے تک ہونے کے احساس کو زندہ رکھ کر شکر ادا کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ مرنے کے بعد اس شکر کے بدلے میں جو وعدہ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ میں کیا گیا ہے وہ یقیناً بدرجہ اتم پورا ہوگا۔ یہاں اللہ نے جو آنکھیں دی ہیں ان کے ہونے کا احساس اور ان کے صحیح استعمال کا خیال۔ ظاہر بات ہے یہ آنکھیں تو بہرحال یہاں فانی ہیں اللہ ان کے بدلے میں جنت میں ایسی آنکھیں دے گا جو ہمیشہ قائم رہیں گی، جن کی بینائی کبھی سلب نہ ہوگی، صحت کی نعمت دی اللہ پاک نے، اسکے ہونے کا احساس رہا، اس کی قدر کرتا رہا شکر گزاری کرتا رہا اور حتی الامکان اس کے غلط استعمال سے اپنے آپ کو بچاتا رہا، تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں جنت میں ایسی صحت عطا

کریں گے جس کو کبھی زوال نہ ہوگا۔ اسی طرح کی بے شمار نعمتیں اللہ پاک نے دی ہے۔

اس لئے اللہ پاک سورہ الرحمان میں بار بار، اپنے بندوں سے یہ کہہ کر مخاطب ہوتے ہیں: فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ [الرحمن: 13] (پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے)۔ تو کون کون سی نعمتوں کو جھٹلائے گا؟

اس لئے ہر بندہ غریب سے غریب، خدانخواستہ بیمار ہو، اپنے پاس ذاتی مکان نہ ہو اس کا تو احساس ہے۔ لیکن اللہ نے جو دیا ہے ، مثلاً کوئی کرایہ پر رہ رہا ہے، ہے تو سہی، سڑک پر رات نہیں گزار رہا ہے، کھانے کو مل رہا ہے۔ گرم پانی کا سردیوں میں انتظام، گرم کپڑوں کا انتظام مگر ان چیزوں کا احساس نہیں ہوتا بے شمار نعمتیں ہیں۔ خود اللہ پاک فرماتے ہیں: وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا [النحل: 18] (اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو ان کا شمار نہیں کر سکو گے)۔ بے شمار نعمتیں اللہ پاک کی دی ہوئی ہم استعمال کر رہے ہیں لیکن بے حس ہو کر استعمال کر رہے ہیں، ضرورت ہے احساس پیدا کرنے کی۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی، آپ حضرات کو بھی اور ہر فرد امت کو بھی ان نعمتوں کے ہونے کا احساس دے دے اور ناشکری سے اللہ پاک ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔ (آمین)

محبت الٰہیہ میں ترقی کا راستہ

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اللہ کی محبت کو حاصل کرنے کا سب سے آسان اور بہتر نسخہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرو، جتنا اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرو گے، اس کی نعمتوں کا استحضار کرو گے، اس کی نعمتوں کو سوچو گے اور اس کا دھیان کرو گے، اتنی ہی محبت میں ترقی ہوتی جائے گی۔

(اسلام اور ہماری زندگی: ۹/ ۲۸۷)

ہمارا اُخروی انجام

جنت یا جہنم

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم ۔ اَمَّا بَعۡد:

علم کی تین قسمیں ہیں، ایک ہے علم الیقین، ایک ہے عین القین اور ایک ہے حق الیقین، علم الیقین کا مطلب ہے کہ کسی چیز کا علم کسی ایسے ذریعہ سے ہو جو بالکل سو فیصد یقینی ہو جس کو آدمی جھٹلا نہیں سکتا۔ مثلاً ہمیں یقین ہے کہ آگ جلاتی ہے، لیکن ہم نے کسی کو آگ میں جلتے ہوئے نہیں دیکھا، لیکن یقین ہے کہ آگ جلائے گی یہ علم یقین ہے، ایک ہے عین القین، ہم نے کسی کو خدانخواستہ آگ میں جلتے ہوئے اپنی آنکوں سے دیکھا یہ ہے عین الیقین، ایک ہے حق الیقین کہ خدانخواستہ کوئی خود جلتا ہو، یہ ہے حق الیقین۔

قرآن پاک کی صفت ہے کہ ''وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ (الحاقہ: 51) (اور بیشک وہ یقین کرنے کے قابل ہے۔)

لیکن اس سے پہلے بیان کیا گیا ''وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ (الحاقہ: 48) (اور بیشک وہ تو پرہیز گاروں کے لیے ایک نصیحت ہے)۔ اب حق الیقین کو آدمی اس طرح سے سمجھ سکتا ہے کہ قرآن پاک نے جگہ جگہ، بندوں کی دو قسمیں کی ہے، ایک وہ بندے جن کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائیگا (اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان میں شامل فرمائے)۔ اور دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور بندہ مومن کو یقین ہے ان دو میں سے کوئی نہ کوئی معاملہ میرے لئے یقینی ہے۔ اور بندہ اس یقین کے اندر ڈوب جائے کہ گویا کہ یا تو میرے ساتھ یہ ہوگا یا میرے ساتھ یہ معاملہ ہوگا۔ قرآن پاک میں ہے وَكُنتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً (الواقعۃ: 7) (اور

(اس وقت) تمہاری تین جماعتیں ہوجائیں گی)۔ایک ہے اصحاب المیمنہ ، ایک ہے اصحاب المشئمہ ، ایک ہے المقربون ۔ بندے کو سو فیصد یقین ہو کہ گویا جیسے میرے اوپر گزر رہا ہے ان تین قسموں میں سے، اکثر جگہ قرآن پاک نے دو قسمیں بیان کی انسانوں کے اعتبار سے، اور اس مبارک آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے تین قسمیں بیان کی ۔ایک تو اللہ تعالیٰ کے بہت ہی زیادہ مقرب بندے، اور دوسرے عام مومنین و صالحین جن کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔اور ایک ہے وہ مجرم و گناہگار جو اصحاب الشمال (بائیں ہاتھ والے) کہلواتے ہیں۔

تو جگہ جگہ قرآن پاک میں آخرت کے اعتبار سے، جنت و جہنم کے اعتبار سے، وزن اعمال کے اعتبار سے دو ہی انجام بیان کئے گئے ہیں۔ فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ (6) فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ (7) وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ (8) فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ (9) [القارعة: 6-9]

(تو جس کے اعمال (نیک) تول میں زیادہ ہوں گے تو وہ خاطر خواہ عیش میں ہوگا اور جس کے اعمال (نیک) تول میں کم ہوں گے تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا)

بندے کو سو فیصد یقین ہو کہ میرے اعمال کا وزن ہو رہا ہے، اب دو ہی صورتیں میرے پاس ہے یا تو میری نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا، یا خدانخواستہ (اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں) بدیوں کا پلڑا بھاری ہوگا۔ پھر سوچے کہ اس وقت جو میری حالت ہے میں کس مقام پر ہوں؟ میری کیا پوزیشن ہے؟ تصور کے عالم میں اپنے اعمال کا وزن کرے۔ حاسبوا قبل ان تحاسبوا

قرآن مقدس کی یہ جو آیات ہے ان کے اندر بندہ ڈوب جائے اور ان آیات کی روشنی میں اپنے انجام کو تلاش کرنے کی کوشش کرلے، فکر کرلے اور پھر یہ عہد کرلے کہ میں بھرپور کوشش کروں گا کہ میں اللہ کے ان خوش نصیب بندوں کے اندر شامل ہوجاؤں جو مقربین ہیں، یا جو کم از کم اصحاب یمین ہیں، وہ جن کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، ان خوش نصیب بندوں کے اندر میں شامل ہونے کی کوشش کروں گا جن کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا، اور پھر ان بندوں کی تلاش قرآن مقدس میں شروع سے اخیر تک کرے۔ان کی تلاش میں قرآن پاک کے اندر ڈوب جائے، کہ کون کون سی صفات ایسی ہے کہ جن صفات کو رب کائنات نے اپنے بندوں کے اچھے

انجام سے پہلے پہلے بیان کیا، کہ ان کے اند یہ صفت ہے، یہ صفت ہے، یہ صفت ہے، پھر ان کا انجام یہ ہوگا، ان کو تلاش کریں، اور اپنے اندر سے بھرپور طریقہ سے ان کو ماننے اور پیدا کرنے کی کوشش کریں، اور پھر ایک نظر تصور کے عالم میں ان آیات کے اندر ڈالے کہ جن لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم کا انجام بیان کیا، وَمَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ ان کا انجام بیان کیا، وغیرہ وغیرہ، آخر کون کون سے جرائم ہیں جن کی وجہ سے وہ ادھر جا گرے؟ پھر اپنے بارے میں تلاش کریں کہ خدانخواستہ میرے اندر کوئی ایسی چیز تو نہیں، قرآن پاک کی بہت بڑی عظیم صفت جو ہے کہ قرآن پاک کی ہر آیت بالکل حق اور بالکل یقینی ہے کسی بھی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ ۛۚ فِيۡهِ ۛۚ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ [البقرۃ : 2] یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے۔ اس یقین کے ساتھ قرآن پاک کو ہم پڑھیں، اس یقین کے ساتھ قرآن پاک کو ہم سمجھیں، اس یقین کے ساتھ قرآن پاک کے حقائق اور قرآن پاک کے معارف کے اندر ڈوبنے کی کوشش کریں۔

لیکن اس ڈوبنے سے پہلے پہلے ہمارے لئے ضروری ہوگا کہ ہم اپنے اندر تقوی پیدا کریں، پرہیزگاری پیدا کریں، تقوی اور پرہیزگاری کے بغیر چاہے نحو کی مدد سے چاہے صرف کی مدد سے، تفاسیر کی مدد سے یا دوسرے جتنے بھی ذرائع ہیں ان کے ذریعہ سے قرآن کے حقائق اور معارف تک پہنچنا یہ ناممکن ہے، ترجمہ سمجھ میں آئے گا، مطلب سمجھ میں آئے گا، لیکن جو قرآن کے حقائق ہیں قرآن کے معارف ہیں اور قرآن کی ہر آیت جو بالکل یقینی ہے اور وہ یقینی کیفیت گویا کہ حق الیقین کے درجہ کی اس کو حاصل کرے، اس کے لئے شرط تقوی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی تقوی نصیب کرے آپ حضرات کو بھی تقوی نصیب کرے۔

* * * * *

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو فروغ دیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔

اَمَّا بَعْد:

اللہ پاک نے ہم کو جو زندگی عطا فرمائی ہے یہ زندگی بار بار نہیں ملتی ہے صرف ایک بار ہی ملتی ہے کس کو کتنی ملے گی اللہ پاک ہی بہتر جانتے ہیں۔ البتہ ہمارا کام یہ ہے کہ اس زندگی سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں اور فائدہ کئی طرح کا ہوتا ہے۔ ایک فائدہ تو وہ ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے ہے مثلاً نمازوں کی پابندی، روزوں کی ادائیگی، تلاوت، ذکر و فکر، صدقات و خیرات وغیرہ وغیرہ، اور دوسرا فائدہ جو اس سے بھی بڑا فائدہ ہے وہ یہ ہے کہ ہم دوسروں کو راہ راست پر لانے کی فکر اور کوشش کریں۔ رب کائنات نے ارشاد فرمایا:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ (تم سب امتوں میں سے بہتر ہو) تم بہترین امت ہو أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (لوگوں کے (فائدے کے) لئے پیدا کئے گئے ہو)۔

کام کیا ہے؟

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (اچھے کاموں کا حکم کرتے رہو اور برے کاموں سے روکتے رہو)

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ چاہے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ (جو نیک کام کی طرف بلاتی رہے) جو خیر کی (ایمان کی) دعوت دے وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ (اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے) بھلائیوں کا حکم دے وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (اور برے کاموں سے روکتی رہے) وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ [آل عمران: 104] (اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں) یہی لوگ

فلاح والے(کامیاب) ہیں۔

یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہم میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ذمہ داری ہے۔خاص کر گھر کے ہر بڑے پر اپنے گھر کی چار دیواری میں یہ فرض عین کا درجہ رکھتا ہے۔امر بالمعروف کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً گھر کا کوئی فرد نماز نہیں پڑھ رہا ہے،اسے نماز کے لئے کہنا،نماز کی ترغیب دینا اور جو کچھ اس کے بس میں ہے اس کے ذریعہ اس کو نماز پر کھڑا کرنا،تلاوت پر آمادہ کرنا،ذکر پر آمادہ کرنا اور نہی عن المنکر کا مطلب یہ ہے جو بھی خرابیاں اپنے گھر والوں اور اپنے اہل وعیال کے اندر نظر آئیں ان کو اس سے روکنا یہ ہر گھر کے بڑے اور ہر گھر کے ذمہ دار پر گویا کہ فرض عین کا درجہ رکھتا ہے۔

اسی طرح اپنے گھر کے باہر والے ماحول میں جہاں سے ہمیں منکر نظر آئیں فوراً اس منکر کے روک تھام کے لئے اپنی حیثیت کی حد تک روکنے کی فکر اور کوشش کریں،اور معروف (نیکی) کا حکم کریں اور معروف کو قائم کرنے کی کوشش کریں۔اللہ پاک نے پوری امت کے لئے ساری انسانیت کے واسطے میدان کھلا رکھا ہے کسی کے لئے کوئی پابندی نہیں جس سے جس طرح سے ہو سکے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اس عظیم فریضہ کو انجام دے ،اور اس کی مختلف صورتیں ہیں۔کہیں وعظ ونصیحت کے ذریعہ،کہیں دعوت وتبلیغ کے ذریعہ وغیرہ وغیرہ جتنے بھی طریقہ ہو سکتے ہیں، جہاں جو طریقہ مفید اور کارآمد ثابت ہو اس طریقہ کو اپنایا جائے۔اور جو طلباء کالجوں یونیورسٹیوں اور دوسرے اداروں کے اندر زیر تعلیم ہیں ان کے لئے بھی اس سلسلے کے اندر اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرنے کی ضرورت ہے جیسے الحمدللہ ہمارے یہاں کچھ نوجوان[”ہیومن ویلیوز“(Human-Values) والے]وہ ماشاء اللہ کالجوں میں، یونیورسٹوں میں، کوچنگ سنٹروں میں کام کرتے رہتے ہیں کالج ، یونیورسٹیوں اور کوچنگ سنٹروں میں پڑھنے والے جوان ان کے سامنے تقاضہ ڈالتے ہیں کہ ہمارے یہاں پروگرام رکھو، ہمارے یہاں مجلس کراؤ، آپ ان کے ساتھ مل کر بھی شریک ہو سکتے ہیں اور اپنے اپنے علاقوں کے اندر جو جس کے بس میں ہو وہ کر گزرے۔ان شاءاللہ آخرت میں بہت زیادہ کارآمد اور بہت زیادہ مفید سرمایہ ہوگا۔اس لئے اس سرمایہ کو اس وقت جس قدر ممکن ہو زیادہ سے زیادہ حاصل کریں۔اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ حضرات کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عظیم ذمہ داری کو اپنا عظیم کام سمجھ کر اس کو انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں۔

آخرت کی فکر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ:

مومن بندہ ہمیشہ آخرت کو سامنے رکھ کر زندگی گزارتا ہے اور آخرت کو بھول جائے، آخرت سے غافل رہے، مومن کی یہ شان نہیں، بلکہ مومن کی شان کے لئے امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک حالت نمونہ ہے "کان دائم الفکر و متواصل الاحزان"[1] پیغمبر علیہ السلام ہمیشہ فکرمند اور غمگین رہتے تھے اور پیغمبر علیہ السلام نے اپنی امت کو بھی فکرمند رہنے اور اس مستی کو توڑنے والا نسخہ تجویز فرمایا۔ **اکثروا ذکر ھاذم اللذات یعنی الموت**[2]۔ دنیوی لذتوں کو توڑنے والی، دنیوی لذتوں کو پارہ پارہ کرنی والی چیز موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ مومن بندہ کسی بھی حال میں ہو، کتنا بھی اس کے پاس سامانِ تعیش ہو، کتنے بھی اونچے منصب پر ہو، کتنی بھی اس کو عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہو، کتنا ہی اس کے پاس مال و دولت ہو لیکن جہاں اس نے موت کو یاد کیا اور جہاں اسکو موت، قبر، حشر، وزن اعمال، پل صراط جنت جہنم اللہ کی بارگاہ میں پیشی کا معاملہ سامنے آیا اور اسکی فکر کے اندر وہ ڈوب گیا تو وہ ساری مستی فوراً ختم ہوجاتی ہے اور شریعت کی نگاہ میں یہ مطلوب ہے، مست ہاتھی کی طرح مومن بندہ زندگی نہ

---

[1]. عن هند بن أبي هالة التميمي و علي بن أبي طالب رضي الله عنهما:
دلائل النبوة للبيهقي: 286/1.   مجمع الزوائد للهيثمي: 276/8.

[2]. سنن الترمذي | أَبْوَابُ الزُّهْدِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. | بَابٌ: مَا جَاءَ فِي ذِكْرِ الْمَوْتِ:
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ". يَعْنِي الْمَوْتَ.

گزارے بلکہ فکر مندی کے ساتھ، اپنے اصلی مقصد پر نظر رکھتے ہوئے زندگی گزارے، ضروریات کے حصول میں بالکل مست نہ رہے۔ضروریات کی تحصیل کی اجازت ہے لیکن ضروریات کی تحصیل کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بنائے اور ضروریات کی تحصیل کے اندر بالکل کھو نہ جائے، ان کو بس ایک ضرورت کی حد تک محدود رکھے، ان کے ساتھ ضرورت کا معاملہ رکھے۔ لیکن اصل مقصد جو ہے وہ اپنی آخرت کے بنانے کی فکر اور موت اور مابعد الموت کے جو مراحل ہیں جو منازل ہے ان کے بارے میں مومن بندہ سوچتا رہے اور بس ان کی تیاری میں لگا رہے۔

جب وہ فکر سوار ہوگی اور اس کی فکر میں لگا رہے گا، تو پھر مومن بندہ مست نہیں رہتا۔ پھر وہ ہمہ وقت دنیا کے کاموں اور دنیا کی فکروں میں گھلتا نہیں رہتا بلکہ اللہ اسے ساری فکروں سے آزادی عطا فرماتے ہیں۔

جیسے حدیث پاک میں ہے کہ پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس انسان نے دنیا اور دنیا کی فکروں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا دیا، ہر وقت دنیا کی فکر، مال کی، عزت کی، شہرت کی، مقام کی، تجارت کی اور اسی طرح دیگر چیزوں کی، تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں کہ کس وادی میں ہلاک ہو جائے اور جس نے اپنی ساری فکروں کو فکر آخرت میں سمیٹ دیا کہ وہ ملازمت کر رہا ہے تجارت کر رہا ہے، کچھ کما رہا ہے، کچھ بنا رہا ہے، دنیا کے جتنے بھی کام کر رہا ہے، سارے کے سارے کام فکر آخرت کے تحت حلال، حرام، جائز، ناجائز، پوری طرح تمیز رکھتا ہوا ان چیزوں کو حاصل کر رہا ہے اور بڑے ہی اچھے جذبے کے ساتھ گویا کہ اس نے اپنی ساری فکروں کو فکر آخرت میں سمیٹ دیا ہے۔ اصل مقصد فکر آخرت ہے۔تو پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ اسے ساری فکروں سے نجات عطا فرماتے ہیں، رہائی عطا فرماتے ہیں۔

میں اکثر مثال پیش کیا کرتا ہوں ایک آدمی کو بخار ہو، زکام ہو یا کوئی دوسری تکلیفیں ہوں ظاہر بات ہے کہ یہ ساری کی ساری چیزیں جو ہے ساری کی ساری تکلیفیں جو ہیں، یہ فکر کی چیزیں ہیں۔لیکن (اللہ سب کے ساتھ عافیت کا معالہ فرمائیں) اچانک اس کے بدن کے کسی

حصہ میں گٹھلی نظر آئے جو بعض مرتبہ کسی بڑی بیماری کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ابھی اس نے ٹسٹ وغیرہ بھی نہیں کرایا اور ابھی یقینی بھی نہیں کہ کیا ہے، ہوسکتا ہے کوئی دوسری چیز ہے، ابھی کوئی تحقیق بھی نہیں ہوئی۔کوئی ٹسٹ بھی نہیں ہوا،لیکن فوراً وہ اپنے زکام کو بھول گیا، بخار کو بھول گیا، بدن میں تیز زخم لگا ہوا تھا اس کو بھول گیا، پیٹ کے درد کو بھول گیا، ساری فکروں کو اور ساری بیماریوں کو بھول گیا، کیونکہ اب ایک بڑی چیز سامنے آنے لگی اس بڑی چیز نے ان ساری چیزوں کو بھلا دیا۔بس اسی مثال کو ذہن میں رکھتے ہوئے۔جب مومن بندہ فکر آخرت میں رہتا ہے تو پھر اسے دنیا کی فکروں کی وہ توجہ نہیں رہتی۔

خلاصہ یہی ہے کہ مومن دنیا میں مست ہاتھی کی طرح زندگی نہ گزارے بلکہ ہر وقت فکر منداور آخرت کی فکر اور آخرت کے معاملے کو اپنے سامنے رکھ کر زندگی گزارے، اللہ مجھے بھی نصیب کرے، آپ حضرات کو بھی۔(آمین)

*****

مراقبۂ موت

ہے یہاں سے تجھ کو جانا ایک دن
قبر میں ہو گا ٹھکانہ ایک دن

منہ خدا کو ہے دکھانا ایک دن
اب نہ غفلت میں گنوانا ایک دن

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

مجذوبؒ

مقصد حیات پر نظر مومن کی ذمہ داری

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بَعْد:

آدمی اپنی زندگی کا اصل مقصد متعین کر کے بس اصل توجہ اس کی طرف دے۔ اور ظاہر بات ہے کہ مومن بندے کو خود مقصد متعین کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، جبکہ خالق کائنات نے خود ہی مقصد متعین کیا کہ اصل مقصد اللہ کی بندگی ہے۔ یوں تو مسلمانوں کی ساری زندگی ہی بندگی ہے، اسی لئے بندہ مومن کی زندگی کے ہر شعبے سے متعلق احکام خداوندی اور پیغمبرانہ ہدایات موجود ہیں، جن کے مطابق ہی زندگی گزارنا ہر مسلمان کو زیب دیتا ہے، تاہم رب کائنات نے کچھ احکام اپنے ایمان والے بندوں اور بندیوں کے لئے ایسے بھی مقرر کئے ہیں جن کا مقصد ہی عبادت و بندگی ہے، بغیر کسی دنیاوی غرض کے اور انہی احکام کی بجا آوری ہی تخلیق انسانی کا اصل مقصد ہے بقیہ جتنے کام ہیں اسی فریضہ بندگی کی تحصیل و تکمیل کے لئے ہیں۔

تو اصل مقصد ان احکام کی بجا آوری ہی ہے جن کو رب کائنات نے بطور عبادت و بندگی ہی مقرر فرمایا ہے، تو پھر بندہ مومن انہی احکام کی بجا آوری میں سستی کرے، اور ان کو بے دلی سے ادا کرے یہ بندگی کی شان کے خلاف ہے، بندگی کی شان تو یہ ہے کہ جب اصل فریضہ بندگی کی ادائیگی کا موقع آجائے تو سراپا ذوق و شوق اور اخلاص و حضور بن کر زندگی کا مقصد اصلی سمجھ کر ادا کرے۔

خصوصاً نماز جو مومن بندے اور بندی کے لئے رب کائنات کی طرف اظہار بندگی کے لئے مقرر کردہ وہ فریضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے بہت ساری ایسی چیزوں کی پابندی لگائی جو دوسری عبادات میں نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے وقت متعین کیا، خصوصاً مردوں کے لئے جگہ اور اجتماعیت مقرر کردی کہ باجماعت ادا کریں، کیفیت متعین کردی کہ خشوع وخضوع کے ساتھ ادا ہو، اور یہ بھی متعین کیا کہ اس نماز کے ذریعہ رات دن میں کم از کم پانچ مرتبہ ہماری بارگاہ

میں حاضر ہوکر مخصوص افعال و اقوال اور مخصوص نشست و برخواست کے ساتھ اظہار بندگی کریں، اوران مذکورہ پانچ مرتبہ کم از کم اتنی مرتبہ ہمارے سامنے سراپا بندگی بن کر کھڑا ہونا ہوگا، اتنی مرتبہ بصورت رکوع ہمارے سامنے جھک کر مخصوص الفاظ کے ساتھ ہماری پاکی اور عظمت کو بیان کرنا ہوگا، اتنی بار ہماری بارگاہ میں سجدہ ریز ہوکر بزبان حال و قال اپنی انتہائی پستی اور ہمارے انتہائی علو اور بلندی کو بیان کرنا ہوگا اور اتنی دیر سراپا ادب بن کر بصورت قعود مخصوص الفاظ میں ہمارے ہی لئے ہر طرح کی قولی، فعلی اور مالی عبادت و بندگی کا اظہار اخلاص و استحضار کے ساتھ کرنا ہوگا۔ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متعین کردی، پھر جہاں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنا کر "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ ﷺ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کا عمومی اعلان فرمایا، وہاں خود پیغمبر کریم علیہ السلام نے "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي "[1] (جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھو اسی طرح نماز پڑھو) ارشاد فرما کر، نماز کے دوران اس کی طرف خصوصی توجہ کا حکم فرمایا۔

ان ساری باتوں کو ذہن میں رکھ کر بندۂ مومن اس بات کی کوشش کرے کہ جب بھی ان احکام میں سے کسی حکم کی بجا آوری کا موقع آجائے جن کو اللہ تعالیٰ نے محض عبادت اور اظہار بندگی کے لئے مقرر فرمایا ہے، تو پوری توجہ اور مقصد زندگی سمجھ کر ادا کرے خصوصا نماز کی ادائیگی کے وقت مذکورہ بالا باتوں کا پورا خیال رکھیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ حضرات کو 'اصل مقصدِ زندگی' سمجھ کر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امین۔

---

[1]. صحیح البخاری | كِتَابُ الْأَذَانِ |بَابُ الْأَذَانِ لِلْمُسَافِرِ:

حَدَّثَنَا مَالِكٌ: أَتَيْنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ، فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ يَوْمًا وَلَيْلَةً، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيمًا رَفِيقًا، فَلَمَّا ظَنَّ أَنَّا قَدِ اشْتَهَيْنَا أَهْلَنَا - أَوْ قَدِ اشْتَقْنَا - سَأَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا بَعْدَنَا، فَأَخْبَرْنَاهُ، قَالَ: " ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ، فَأَقِيمُوا فِيهِمْ، وَعَلِّمُوهُمْ، وَمُرُوهُمْ " وَذَكَرَ أَشْيَاءَ أَحْفَظُهَا أَوْ لَا أَحْفَظُهَا " وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ ".

نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ:

فقال اللہ تبارك وتعالیٰ ۔ وَأَقِمِ الصَّلَاۃَ لِذِکْرِی ۔ صدق اللہُ العظیم

نماز کئی چیزوں کے مجموعے کا نام ہے، نماز جامع العبادات ہے، نماز میں تلاوت بھی ہے، نماز میں ذکر بھی ہے، نماز میں دعا بھی ہے، نماز میں ہاتھ، پیر، پیشانی، گھٹنے، آنکھیں، کان، ہر چیز کی عبادت ہے، اور ظاہر بات ہے نماز میں جتنی چیزیں ہیں، وہ سیکھنے سے آجاتی ہے، ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جس نے نماز کے دوران تلاوت سیکھی، بلکہ تلاوت سیکھنے کے لئے مستقل محنت کرنی پڑتی ہے، قرآن پڑھنے کی محنت اور صحیح تلفظ کی محنت شاید کوئی ایسا نہیں ہوگا جس نے بس تلاوت کو بھی نماز کے دوران، التحیات کو بھی نماز کے دوران سیکھا، ''سبحانک اللھم'' کو نماز کے دوران سیکھا، درود شریف کو بھی نماز کے دوران سیکھا، عموماً ایسا تو نہیں ہوتا، تلاوت سیکھنے کے لئے الگ سے محنت، التحیات کو یاد کرنے کے لئے الگ سے محنت، ''سبحانک اللھم'' کو سیکھنے کے لئے الگ سے محنت، درود شریف کے لئے الگ سے محنت، ایسے ہی قیام کو سیکھنے کے لئے الگ سے محنت، رکوع کو سیکھنے کے لئے الگ سے محنت، سجدے کو سیکھنے کے لئے الگ سے محنت، اور کرنی بھی چاہئے محنت۔ ہمارے حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ کے یہاں تو نماز کی عملی مشق کا بہت اہتمام تھا، اپنے سامنے نماز پڑھواتے تھے۔

تو بہر حال نماز کے اندر جتنے بھی اجزاء ہیں سب چیزوں کو ہم سیکھتے ہیں اور سیکھنے کو ضروری سمجھتے ہیں حتی کہ آنکھوں کی نگاہ قیام میں کہاں ہو، رکوع میں کہاں ہو، سجدہ میں کہاں ہو، اس کو بھی

ہم پڑھتے ہیں سیکھتے ہیں، قیام کے دوران ہاتھ کہاں رکھے اسکوبھی سیکھا جاتا ہے اور سیکھنا چاہئے۔ رکوع کے دوران ہاتھ کی انگلیاں کیسے رہیں، اس کو بھی سیکھتے ہیں، التحیات کے دوران ہتھیلیاں کہاں رہیں، سجدہ کے اندر کیسے رہیں یہ سب ہم نے سیکھی۔

لیکن نماز کے اندر ایک ایسی چیز ہے جس کو سیکھنے کی الگ سے پریکٹس اور الگ سے مشق نہیں کی جاتی ہے۔ اور وہ کیا ہے جو نماز کا اصل مقصد ہے؟ جو میں نے آیت تلاوت کی ''وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ''﴿طه: ١٤﴾ اور نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو، اب نماز کے دوران اللہ یاد رہے۔ نماز کے دوران آنکھیں کہاں رہیں اس کی فکر ہے اور ہونی چاہئے، ہاتھ کہاں رہیں اور تلاوت کے دوران مخارج کے اندر زبان کس مخرج پر کہاں لگے ضروری ہے، پیر کہاں رہے، رکوع میں، سجدہ میں وغیرہ وغیرہ سب پر توجہ دی جاتی ہے اور دینی چاہئے۔ لیکن نماز میں دل کہاں رہے، ایک تو ہے تمنا کہ نماز کے دوران دل اللہ کے ساتھ رہے نماز کے دوران اللہ یاد رہے، تمنا تو ہر کسی کو ہے لیکن تمناؤں سے کچھ نہیں ہوتا، ہر کوئی تمنا کرے کہ مجھے اچھا قرآن پڑھنا آجائے تو تمناؤں سے قرآن اچھا نہیں ہوا کرتا ہے، اچھی چیز کی تمنا کرنا اچھی چیز ہے لیکن محض تمنا کرنا کسی چیز کی اور اس کو حاصل کرنے کے لئے کچھ نہیں کرنا، یہ تو بے وقوفی ہے۔ ''والعاجز من اتبع نفسه هو اها و تمنى على الله[1]'' کہ بے وقوف ہے وہ آدمی جو پیچھے پیچھے نفس کے چلے اور تمنا اللہ سے وابستہ رکھے۔

تو آدمی کسی چیز کو حاصل کرنے کی تمنا تو کرے، لیکن اس چیز کو حاصل کرنے کے لئے کچھ نہ کرے۔ یہ بے وقوفی ہے۔ اصل میں ہم اللہ کو یاد کرنے کی پریکٹس اور مشق نہیں کرتے ہیں، تمنا تو ہوتی ہے۔

ہم میں سے ہر کوئی سوچے کہ میں نے جو تلاوت کے لئے الگ سے وقت نکالا مخارج اور صفات کے لئے، ماشاء اللہ طلباء حافظ بن جاتے ہے اور اس کے بعد مستقل دو سال لگاتے ہیں قرأت کو سیکھنے کے لئے مخارج اور صفات کی اچھی طرح سے ادائیگی آجائے۔ مسائل کو، تفسیر کو فقہ کو

---

[1] عَنْ أَبِي يَعْلَى شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رضي الله عنه عن النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا، وتمنّى عَلَى اللهِ رواه التِّرْمِذِيُّ وقَالَ: حديثٌ حَسَنٌ،

سیکھنے کے آٹھ ،دس سال لگاتے ہیں اور لگانے چاہئے بہت بڑی سعادت ہے۔اللہ تعالیٰ اس سعادت کو ہمارے اور ہماری قیامت تک آنے والی نسلوں میں ہمیشہ زندہ رکھے۔لیکن نماز کے دوران اللہ یاد آئے اور یاد آئے ہی نہیں بلکہ اللہ یاد رہے اور ایسے اللہ یاد رہے کہ اللہ کے سوا کوئی یاد نہ رہے۔نماز ایک ایسی عبادت ہے جس میں اللہ کے سوا کسی کو یاد رکھنے کی اجازت نہیں۔اقم الصلوٰہ لذکری نماز کو قائم کرو میری یاد کے لئے۔

تو پھر کتنی مرتبہ ایسا ہوا جیسا میں گزارش کیا کرتا ہوں کہ دو منٹ تک قیام رہا، تین منٹوں تک، پانچ منٹوں تک ،لیکن ان پانچ منٹوں میں ایک بار بھی اللہ یاد نہیں آیا۔۔۔رکوع میں اللہ یاد نہیں آیا، سجدہ میں اللہ یاد نہیں آیا، التحیات میں اللہ یاد نہیں آیا اور اللہ نے کہا کیا تھا کہ نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو، تو یہ جو اللہ یاد نہیں آتا ،نماز میں یا آتا ہے تو بس کبھی آ گیا اور فوراً دھیان ہٹ جاتا ہے جبکہ ضرورت ہے نماز میں اللہ ہی یاد رہے اور اللہ اکبر سے سلام تک برابر یاد رہے، اس کے لئے مستقل محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ چونکہ نماز میں سارے مجموعے پر نظر رکھنی پڑھتی ہے، تلاوت ٹھیک ہو وہ بھی ہو یہ بھی ہو۔اس لئے الگ سے آدمی وقت نکالے، اس میں نہ تلاوت، نہ التحیات، نہ قیام، نہ رکوع ، نہ سجدہ، اس میں بس اللہ کو یاد رکھنے، اللہ کو یاد کرنے کی مشق کرنی ہے، بس دو چیزوں کو اس میں رکھے کسی تیسرے کو نہیں، ایک زبان کو اور ایک دل کو، اصل یاد تو ہے دل کی لیکن ہمارا یہ دل بیدار نہیں سویا ہوا ہے، اب جو کوئی سویا ہو اس کو جگانے کے لئے کیا کرنا پڑتا ہے؟ کیا کرتے ہیں سونے والے کو جگانے کے لئے ۔۔۔؟ آواز دیتے ہیں کہ نہیں ۔۔؟ اگر نماز کے لئے جگانا ہو تو کیا کرتے ہیں ’’ ارے ارے نماز کا وقت ہو گیا، گھنٹہ ہو گیا، ڈیوٹی کا وقت ہو گیا، اسکول کا وقت ہو گیا، ٹیوشن کا وقت ہو گیا‘‘، یعنی جس چیز کے لئے ہمیں جگانا ہو اس چیز کا نام لیتے ہیں کہ نہیں ؟ اب یہاں اللہ کی یاد سے دل سویا ہوا ہے، اب اس کے دل میں کس کی یاد جگانی ہے؟ کس کی یاد؟ اللہ کی۔ اس لئے زبان سے بار بار، بار بار، اسکو آواز دیتے ہیں ’’اللہ، اللہ، اللہ، اللہ‘‘ جب بار بار، بار بار اللہ کے نام کی ضرب لگ جائے گی تو یہ دل اللہ کی یاد سے جاگ جائے گا۔اور جب جاگ جاتا ہے پھر بعض مرتبہ آواز دینے کی ضرور نہیں پڑتی۔

جیسے کسی نے کہا ہے نا

اچھا ہے کہ دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

جیسے کہتے ہیں نا ع

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد

اس مصرے کو میں تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ اس اللہ کی یاد کے لئے کہا کرتا ہوں:

اچھا ہے کہ دل کے ساتھ رہے ترجماں زبان

دل کے اندر اللہ کی یاد زبان سے اللہ اللہ کہہ کر دل کی کیفیت کی ترجمانی ہو رہی ہے۔

اچھا ہے کہ دل کے ساتھ رہے ترجماں زبان
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

کبھی کبھی بیچ میں کہو زبان فی الحال تو رہ۔ میرا دل جانے اور اللہ جانے۔ زبان سے کوئی کام نہیں لینا ہے، کسی عضو سے نہیں، بلکہ دل ہے اور وہ ذات ہے جس ذات کے علاوہ دل میں کسی کو بھی بسانے کی اجازت نہیں اور یہ دل ہی تو ایسی چیز ہے ایسی جگہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایمان والے دل کے علاوہ کوئی نہیں سماتا

ہے نا حدیث قدسی: ۔۔۔لا یسعنی الا قلب المومن[۱] کہ مجھے کوئی نہیں سماں سکتا سوائے مومن کے دل کے۔

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا ایک شعر

بسا لینا کسی کو دل میں دل ہی کا کلیجہ ہے (کسی اور کا کلیجہ نہیں)
پہاڑوں کو تو بس آتا ہے جل کر طور ہو جانا

پہاڑ تھوڑا ہی برداشت کرسکتا ہے۔ اتنا بڑا پہاڑ کوہ طور۔ موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی تھی، ''رب ارنی انظر الیک'' پروردگار میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ نے کیا فرمایا؟''قال لن ترانی'' ''ارے موسیٰ تمہارے بس میں نہیں'' ولکن انظر الی الجبل ''لیکن پہاڑ کو دیکھو'' فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا۔'' جب اللہ نے تجلی ڈال دی پہاڑ پر، اب وہ تجلی اتنی تھی بعض

[۱] مَا وَسِعَنِی سَمَائِی * وَلَا أَرْضِی، بَلْ ** وَسِعَنِی قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِنِ

نے تعبیر کرنے کے لئے کہا بس اتنی ناخن کے برابر وہ ناخن بھی سمجھانے کے لئے کہہ دیا۔ ہوا کیا؟ ''جعله دکا'' بیچارہ وہ پہاڑ جل کر ریزا ریزا ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام پر خود تجلی نہیں پڑی اس وقت، وہ خاص تجلی تھی، پڑی کس پر؟ پہاڑ پر اور ذرہ سی پڑی، ذرہ سی اللہ کی نسبت سے اور حضرت موسیٰ نے پہاڑ کو دیکھا تو دیکھتے ہی کیا ہو گئے؟ بے ہوش ہو گئے۔ دنیا میں ضابطہ ہے ''لا تدر که الابصار'' آنکھیں نہیں دیکھ سکتی، آنکھوں کے دیکھنے کی نفی ہے دل کے دیکھنے کی نفی تو نہیں، بلکہ دل کے دیکھنے کا حکم ہے۔ "ان تعبدالله کانک تراه" ایسے کرو گویا کہ دیکھ رہے ہو۔

تو کیا فرمایا:

سما لینا کسی کو دل میں دل ہی کا کلیجہ ہے
پہاڑوں کو تو بس آتا ہے جل کر طور ہو جانا

تو نماز کے اندر اللہ ہم کو یاد رہے، تو جیسے نماز کے دوران تلاوت اچھی ہو، نماز کے دوران میں التحیات پڑھ سکو، اب یاد تو کیا نہیں اور التحیات پڑھنا چاہے گا۔ دعائے قنوت یاد نہیں کیا اور چاہتا ہے کہ نماز کے اندر میں دعائے قنوت پڑھوں، اس کے لئے الگ سے وقت نکالو۔ ایسے ہی نماز کے دوران مجھے اللہ یاد رہے صرف آئے ہی نہیں بلکہ یاد رہے، اس کے لئے الگ سے وقت نکالو اور اسمیں یاد کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہ کرو، پھر جب نماز شروع کرو گے ان شاء اللہ یاد آئے گا بھی اور یاد رہے گا بھی، جیسے کہ ہم نماز کے اور اجزاء کے لئے مستقل محنت کرتے ہیں اور کرنی بھی چاہئے اور ایسے ہی جو نماز کی اصل روح ہے وہ ہے اللہ کی یاد، اس کے لئے الگ سے وقت نکالنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے بڑے بڑے علماء چوٹی کے علماء انہوں نے فارغ ہونے کے بعد مستقل وقت دیا اللہ کے اچھے صالح بندوں کے پاس تا کہ نماز کے دوران اللہ کا یاد رکھنا ہمیں آجائے۔ اللہ تعالیٰ ان منتشر باتوں کو میرے لئے آپ کے لئے سب کے لئے مفید بنائے۔ آمین۔

*****

زندگی گزارنے کے دو طریقے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ: دنیا میں زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں اور آخرت میں دونوں کا انجام الگ الگ ہے۔ ایک ہے دنیا میں سرکش بن کر زندگی گزارنا، اللہ تعالیٰ نے زندگی کے مختلف شعبوں اور بدن کے مختلف اعضاء سے متعلق زندگی گزارنے کے جو حدود متعین کئے ہیں وہ ان حدود کی رعایت نہیں کرتا، دیکھنے میں، بولنے میں، سننے میں، سوچنے میں، چلنے میں، تعلقات میں، لباس میں، کمانے میں، خرچ کرنے میں، کھانے میں، پینے میں، تنہائی میں، جلوت میں، زندگی کے جو مختلف شعبیں ہیں، زندگی کی جو مختلف حالتیں ہیں اور انسان کے بدن کے جو مختلف اعضاء ہیں اور ان کے متعلق جو مختلف کام اور ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو حدود متعین کئے ہیں وہ ان حدود کی رعایت نہیں کرتا، حدود سے نکل جاتا ہے، سرکشی اختیار کرتا ہے۔

فرمایا: فَأَمَّا مَن طَغَىٰ ﴿٣٧﴾ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿النازعات ٣٨﴾ (سو جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی) اور بس اس کے سامنے دنیا ہے، دنیا کی لذت، دنیا کی خوشی، دنیا کا عیش، دنیا کا آرام، دنیا کی شہرت وغیرہ وغیرہ، اس طریقے سے زندگی گزارنے کا انجام کیا ہے؟

فرمایا: فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿النازعات ٣٩﴾ (سو بے شک اس کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے)۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

اور دوسرا طریقہ زندگی گزارنے کا جس کے ہم سب مکلف ہیں اور جس کا ایسا بہترین انجام ہے، ایسے بہترین انجام کے بارے میں فرمایا کہ وہاں جو کچھ اس کے نتیجے میں اس کو ملے گا، وہ،

وہ ہوگا جو اس کی آنکھوں نے دیکھا بھی نہیں، اس کے کانوں نے اس کے متعلق سنا بھی نہیں، اور اس کے دل میں کبھی تصور تک نہیں آیا وہ سب کچھ ملے گا، وہ طریقہ کیا ہے۔

فرمایا: وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ (40) فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (41) [النازعات: 40-41] ترجمہ: اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور اس نے اپنے نفس کو بری خواہش سے روکا۔ سو بیشک اس کا ٹھکانا بہشت ہی ہے۔

وہ اپنے رب کے یہاں، اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑے ہونے کے سلسلے میں، جواب دہی کے سلسلے میں، پیشی کے سلسلے میں، ہمیشہ ڈرتا رہا، وہ زندگی کے ہر مرحلہ میں اور اپنے اعضاء کے استعمال کے سلسلے میں وغیرہ وغیرہ ہمیشہ اس کو یہ استحضار رہا۔ وہ ڈرتا ہے اس تصور سے اس عقیدہ کی بیداری کے وجہ سے کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ مجھے اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوکر اپنی پوری زندگی، اپنی مکمل جوانی، اپنی مکمل کمائی، اپنے مکمل خرچ اور اپنے مکمل علم کا حساب دینا ہوگا۔ اس ڈر کا، اس خوف کا، اس استحضار کا اس کی زندگی پر اثر کیا پڑا؟ فرمایا بس ایک اثر پڑا۔ کیا؟ ونھی النفس عن الھوی۔ نفس کو غلط قسم کی خواہشات سے روکا۔ جہاں نفس نے کوئی ایسی چیز چاہی، کسی ایسی چیز کو دیکھنا چاہا، کسی ایسی چیز کو کھانا چاہا، کسی ایسی چیز کو سننا چاہا، کسی ایسی چیز کو کہنا چاہا، کسی تعلق کو چاہا، کسی ایسی تنہائی کو چاہا، کسی ایسی جلوت کو چاہا وغیرہ وغیرہ۔ اس نے کیا کیا؟ ونھی النفس عن الھوی نفس کی غلط چاہت پر مکمل روک لگادی۔ کتنا بھی نفس آمادہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں وہ نفس کے ان تقاضوں کو اور نفس کی ان خواہشات کو روندتا ہے پامال کرتا ہے۔

تو اس کا انجام کیا ہوگا آخرت میں؟ فرمایا: ''فان الجنۃ ھی المأویٰ'' اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

اب بندہ خود یہ فیصلہ کرے کہ میں جنت چاہتا ہوں یا جہنم (العیاذ باللہ) ظاہر بات ہے چاہے گا ہر کوئی جنت ہی، لیکن محض چاہنے سے کچھ کام نہیں ہوتا جب تک کہ چاہنے کے تقاضوں کو پورا نہ کیا جائے، ورنہ آدمی چاہے تو بہت کچھ، لیکن اس چاہت کا جو تقاضہ ہے اس کی

خلاف ورزی کرتا ہے، یہ تو بے وقوفی ہے فرمایا: "**والعاجز** "(بے وقوف نادان کون؟) "**من اتبع نفسه هواها**" اپنے نفس کے تقاضوں کو روک لگانے کے بجائے اس کو آزاد چھوڑا اور جدھر نفس چاہتا ہے "**اتبع نفسه هواها** "اپنی نفس کی خواہشات کے پیچھے پیچھے چلتا ہے، لیکن اس کے باوجود "**وتمنّٰی علی الله** "اللہ پر آرزوئیں اور تمنائیں جنت اور فلاں اور فلاں، ہے نا بے وقوفی۔

عقلمندی کیا ہے؟

فرمایا: الکیس من دان نفسه[1] سمجھدار وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور وعمل لما بعد الموت مابعد الموت کی ابدی کامیابی کی تیاری میں لگا رہا۔ اس تیاری کے لئے جو کرنے کے کام تھے ان کو بہتر سے بہتر طریقے پر انجام دیتا رہا اور آخرت کی تیاری کے لئے جن کاموں سے بچنا ہے، نفس کتنا بھی شدید تقاضا کرے، حالات کیسے بھی ہوں، ماحول کیسا بھی ہو، لیکن وہ اپنے نفس کے ان غلط تقاضوں کو کچلتا رہا اور اپنی آخرت کی تیاری میں لگا رہا۔

تو بہر حال زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں، ایک آزاد زندگی جس کا انجام جہنم ہے اور ایک محتاط اور خوف کے ساتھ زندگی گزارنا، جس کا اثر ہے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھے ہوئے ہے۔ کوئی ایسی حرکت کرنے ہی نہیں دیتا جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے کا سبب بنے۔ اور ایمان والا بندہ اسی طریقہ پر زندگی گزارنے کا مکلف اور پابند ہے۔

اور یہ تو امتحان کی جگہ ہے آخرت کے مقابلہ میں بس سمجھ لیجئے کہ چند دنوں کا امتحان ہے بلکہ جب آخرت میں جاوے گا ایسا لگے گا کہ یہ جو ساٹھ ستر سال، سو، دو سو سال پانچ سو سال دنیا میں رہا ہوگا امتحان کے لئے، لیکن وہاں لگے کہ یہ تو آدھے دن کا امتحان تھا۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

---

[1] عَنْ أَبِي يَعْلَى شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رضی اللہ عنہ عن النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا، وَتَمَنَّى عَلَى اللّٰهِ رواه التِّرْمِذِيُّ وقَالَ: حديثٌ حَسَنٌ،

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ﴿النازعات۴۶﴾

کہ آخرت میں چل کر جب اپنی زندگی کا نتیجہ سامنے آئے گا تو اس کو ایسا محسوس ہوگا کہ گویا دنیا میں نہیں ٹھہرا ’’إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا‘‘ مگر اتنا جتنا صبح سے دوپہر تک یا دوپہر سے شام تک ہے۔ وہاں تو یہ لگے کہ آدھے دن کا امتحان ہے اور آخرت کے مقابلے میں آدھا دن بھی نہیں ہے۔ دنیا چاہے لاکھوں سال کی کیوں نہ ہو، کروڑوں سال کی کیوں نہ ہو، لیکن آخرت کے مقابلے میں آدھا دن بھی نہیں۔ چونکہ آخرت ابدی ہے، اس آدھے دن کے امتحان کے اندر آدمی تھوڑا ہمت سے کام لے، اپنے نفس کو قابو میں رکھے، پھر آخرت میں ان شاء اللہ آزادی ہی آزادی ہے، راحت ہی راحت ہے، آرام ہی آرام ہے۔

اللہ مجھے بھی نصیب کرے، آپ حضرات کو بھی نصیب کرے، پوری امت کو نصیب کرے۔ آمین۔

میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

میں تیرے سامنے جھک رہا ہوں خدا　　میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا
میں گناہ گار ہوں میں خطاکار ہوں　　میں سیاہ کار ہوں میں سزاوار ہوں
میرے سجدوں میں تیری ہی حمد و ثناء　　میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا
میری توبہ ہے توبہ اے میرے الٰہ　　مجھ گناہ گار کو تو نہ دینا سزا
میری آہوں کو سن لے اے حاجت روا　　میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا
’’میں تو غفّار ہوں‘‘ تُو نے خود ہی کہا　　نہیں کوئی نہیں ہے شہبازؔ کا
’’بخش دوں گا تجھے‘‘ یہ ہے وعدہ تیرا　　میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

میں تیرے سامنے جھک رہا ہوں خدا
میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

محبت کیا ہے؟

از شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب (دامت برکاتہم)

محبت کیا ہے دل کا درد سے معمور ہوجانا
متاعِ جاں کسی کو سونپ کر مجبور ہوجانا

ہماری بادہ نوشی پر فرشتے رشک کرتے ہیں
کسی کے سنگِ در کو چومنا، مخمور ہوجانا

قدم ہے راہِ الفت میں تو منزل کی ہوس کیسی؟
یہاں تو عین منزل ہے تھکن سے چور ہوجانا

یہاں تو سر سے پہلے دل کا سودا شرط ہے یارو!
کوئی آسان ہے کیا سرمدؒ و منصورؒ ہوجانا

بسا لینا کسی کو دل میں دل ہی کا کلیجہ ہے
پہاڑوں کو تو بس آتا ہے جل کر طور ہوجانا

مری کوتاہیوں نے تم کو بخشیں رونقیں کیا کیا
خفا ہوکر لجانا، روٹھ کر کچھ دور ہوجانا

مثالِ شمع اپنی ذات کو پگھلانا پڑتا ہے
بہت مشکل ہے ہمدم ظلمتوں کا نور ہوجانا

نظر سے دور رہ کر بھی تقیؔ وہ پاس ہے میرے
کہ میری عاشقی کو عیب ہے مہجور ہوجانا

*****